ماہنامہ
محدث
بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۳۷
جلد: ۳۰، شمارہ: ۱

صفر ۱۴۳۳ھ

جنوری ۲۰۱۲ء

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-عید میلاد النبی ﷺ	مولانا عبدالمعین سلفی	۶
۵-مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ......	مولانا اسعد اعظمی	۱۱
۶-سود- معاشرے کو تباہ کرنے...	محمد انور محمد قاسم سلفی	۱۵
۷-محاکمۂ سامرودیہ......	مولانا محمد مستقیم سلفی	۲۴
۸-کیا انسان خود مختار ہے یا پابند؟	مولانا محمد مختار احمد ندوی ؒ	۲۹
۹-ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب......	مولانا محمد یونس مدنی	۳۴
۱۰-نفس انسانی..........!	عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	۳۹
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۲
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۳
۱۳-تعارف وتبصرہ	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۴۴
۱۴-باب الفتاوی	مولانا نور الہدی سلفی	۴۷

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپئے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپئے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(۲) عبداللہ سعود بن عبدالوحید

امت مسلمہ میں اختلاف ہونا فطری ہے اور اللہ کے رسول محمدﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق مختلف فرقوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، میں نے اپنے موضوع کی سرخی قرآن مجید کی ایک آیت رکھی ہے، جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی وحدانیت کے مقابلہ مشرکین کے دلائل کے پیش نظر فرمایا تھا، آپ نے مشرکین کی دلیل پر غور کیا، پھر اللہ وحدہ لاشریک کی حقانیت اوراس کی قدرت پرغور کیا اور دونوں دلائل کی روشنی میں یہ سوال پیش فرمایا کہ ان دوراستوں میں سے کون سا راستہ امن کا زیادہ مستحق ہے کہ جس پر گامزن ہوکرایک انسان عذاب الٰہی اور جہنم سے بچ سکتا ہے، آگے آیت نمبر ۸۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہماری حجت تھی جو میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کوان کی قوم کے مقابلہ عطا کی تھی۔

آج امت مسلمہ میں بہت سے فرقے پیدا ہو چکے ہیں، سب کے پاس اپنی اپنی حجت اوراپنی اپنی دلیل ہے اوراپنے خیال وسوچنے کے انداز سے سب راہ نجات کے متلاشی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ سب جنت چاہتے ہیں اور ہر کوئی جہنم سے بچنے کی راہ ڈھونڈتا ہے، لیکن ان تمام فرقوں میں امن کا کون زیادہ مستحق ہے اورکس کا طریقۂ انتخاب وعمل حق سے زیادہ قریب ہے، اس پر بھی غور کرنا چاہئے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے دلائل پر بھی غور کیا اوراس کواپنانے کی کوشش کی، اللہ نے ان کے دل میں راہ ہدایت کی روشنی پیدا کی اوراس پر بھی غور فرمایا اور دونوں دلائل پرغور کرنے کے بعد ایک راہ کو پکڑلیا کہ امن کا زیادہ مستحق یہی راستہ ہے۔

یہ سوچنے اور فیصلہ کرنے کا طریقہ اللہ نے سکھایا، میں کہتا ہوں حق پانے کا یہی واحد راستہ ہے، ہم جب تک مختلف راستوں پر گامزن لوگوں کے طریقۂ استدلال کونہیں جانیں گےتوان کے بارے میں ہم فیصلہ کیسے کرسکتے ہیں؟

كل نفس ذائقة الموت۔ (سورہ آل عمران:۱۸۵) ہر شخص کوموت کا مزہ چکھنا ہے اور یہ بدیہی امراورحقیقت ہے کہ مرنے کے بعد جنت یا جہنم میں جانا ہوگا، اور مذکورہ بالا آیت اورحدیث رسول کے مطابق صرف ایک گروہ یا فرقہ جنت کا مستحق ہوگا جوواقعی اللہ کے رسول کے دین کا صحیح پیروکار ہوگا، باقی جہنم میں جائیں گے، یہ قرآن وحدیث کا بیان ہے، کوئی ہنسی یا مذاق نہیں ہے کہ ہم نظرانداز کردیں، فاعتبروا يا أولي الألباب.

(جاری)

☆☆☆

درس حدیث

محبت رسول (ﷺ) کا تقاضا

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: (لَا تَطْرُوْنِیْ کَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰی اِبْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا أَنَا عَبْدُہُ فَقُوْلُوْا عَبْدَ اللّٰہِ وَرَسُوْلَہُ. (صحیح بخاری: ۳۴۴۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا میری شان میں تم غلو مت کرنا، جس طرح نصاری نے عیسی علیہ السلام کی شان میں غلو کیا، میں اللہ کا بندہ ہوں، پس مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اللہ کے سب سے برگزیدہ اور مقرب بندے ہیں جن کو اللہ نے شرف رسالت کے لیے منتخب فرمایا ہے، ان پیغمبروں میں پانچ پیغمبر سب سے افضل ہیں، جن کو اولوالعزم پیغمبر کہا جاتا ہے نوح، ابراہیم، موسیٰ عیسیٰ اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور ان پانچ پیغمبروں میں سب سے افضل نبی آخرالزماں سید الخلق اجمعین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، فرمان نبوی ہے ''أنا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر'' (سنن ترمذی: ۳۱۴۸) میں بروز قیامت اولاد آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اس نے ایمان کی دولت سے نوازا اور اس آخری نبی کا امتی بنایا، ہمیں اللہ کی اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے۔

اس نعمت کی قدر اللہ کی عبادت واطاعت اور اس آخری نبی سے محبت واتباع میں مضمر ہے، اگر عبادت واطاعت کے راستہ کو چھوڑ کر محض ثناخوانی اور نعت گوئی کی جائے تو اس سے احسان مندی کے تقاضے پورے نہیں ہونگے بلکہ یہ تو ان تقاضوں سے فرار اختیار کرنا ہے۔

آج مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی سال گرہ مناتا ہے اور اسے عین دین سمجھ کر کرتا ہے لیکن جب آپ کی سنتوں کے اپنانے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی بات آتی ہے تو فرار اختیار کرنے لگتا ہے اور باپ دادا کے طور طریقے اور رسم ورواج کی دہائی دینے لگتا ہے، عمل کا یہ کتنا عجیب وغریب تضاد ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قل ان کنتم تحبون الله فاتبعوني'' (آل عمران: ۳۱) کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ افسوس کی بات یہ ہے آج اسے دین سمجھ لیا گیا ہے جسے آپ ﷺ نے دین قرار نہیں دیا، جس کی سال گرہ کا یہ جشن منایا جاتا ہے اس ذات بابرکات نے نہ یہ جشن منایا نہ اور آپ کے جانثار صحابہ کرام، اور ائمہ دین وسلف صالحین نے اس کا کوئی اہتمام کیا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ مسلمانوں کا یہ عمل ان نصاری کی تقلید اور پیروی کا نتیجہ ہے جن کے نقش قدم پر چلنے سے ہمیں منع کیا گیا اور جن کے راستے سے بچنے کی ہم دعا کرتے ہیں ''اهدنا الصراط المستقيم، صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين'' (الفاتحہ: ۶-۷) ہمیں سیدھی راہ دکھلا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔

اگر واقعی مسلمان دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے شعائر کی تقلید کرتا ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید کو ملحوظ رکھنا چاہیے ''من تشبه بقوم فهو منهم''۔

سچ یہ ہے کہ اس امت کا ایک طبقہ جادۂ حق سے انحراف کرکے دوسری قوموں کی تقلید اور ان کی روش کو اختیار کرے گا، اس کی واضح پیشین گوئی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی ہے: ''لتتبعن سنن من کا ن قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتي لو سلکوا جحر ضب لسلکتموہ قلنا: یا رسول اللہ، الیھود والنصاری؟ قال: ''فمن'' (صحیح بخاری: ۳۴۵۶) تم ضرور سابق امتوں کے نقش قدم پر چلو گے ہم نے پوچھا کہ یہود ونصاریٰ آپ نے فرمایا تو اور کون؟ شاید مسلمانوں کے اس عمل سے بھی صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی۔

ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے مودبانہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی صدق دلی کے ساتھ تعمیل کریں اور نصاریٰ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو کرنے سے بچیں اور ان تمام کاموں کو ترک کریں جو اگر چہ دین کے نام پر انجام دیئے جاتے ہیں مگر اس کے دین ہونے کی دلیل قرآن وحدیث سے نہیں ملتی، نبی سے محبت کا یہی تقاضا ہے۔ ☆☆☆

افتتاحیہ

جماعت ''انصار السنۃ المحمدیہ'' اور ''حزب النور'' مصر

ایک تعارف

جماعت انصار السنۃ المحمدیہ اسلامی سلفی جماعت ہے، جو پہلے مصر میں قائم ہوئی پھر دیگر بلاد میں پھیلی، یہ توحید خالص اور سنت صحیحہ کی داعی جماعت ہے، اس کا قیام ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶م کو قاہرہ میں شیخ حامد فقی کے ہاتھوں ہوا اور شیخ محمد عبدالوہاب البنا، شیخ محمد صالح الشریف، شیخ عثمان صباح الخیر، شیخ حجازی فضل عبدالحمید ان کے شریک کار تھے، اس وقت مصر اور دیگر اسلامی ممالک صوفیت کے تسلط کے زیر اثر شرکیات اور بدعات وخرافات سے پرُ تھے۔ اس طرح اس جماعت کی تاسیس توحید خالص اور سنت صحیحہ کی اساس پر شرک وبدعات کے خاتمہ کے ساتھ دین کی تجدید کی خاطر ہوئی، شیخ حامد الفقی۔ (۱۳۱۰ھ، ۱۳۷۸ھ/ ۱۸۹۲م، ۱۹۵۹م) کے والد گرامی شیخ محمد عبدہ کے مصاحب درس تھے، خود شیخ حامد الفقی ازہری فاضل ہیں، توحید وسنت کی دعوت کا آغاز قاہرہ کی ایک مسجد سے کیا جس کے وہ امام تھے، جماعت انصار السنۃ کے آپ صدر تھے، جب اتباع کی تعداد بڑھی تو حکومت نے رکاوٹیں ڈالیں حتی کی ان کے قتل کی سازش کی گئی، تین سال کے لئے آپ نے حجاز میں سکونت اختیار کرلی جس سے جماعت کی لو دھیمی ہوگئی پھر پلٹ کر آئے تو باقاعدہ اس کی شاخیں قائم ہوئیں اور قاہرہ سے اسکندریہ تک پھیلیں اور اتباع کی تعداد ہزاروں میں ہوگئی، مجلّہ ''الہدی النبوی'' کا اجراء ہوا جس کے آپ رئیس التحریر تھے اور اس کے مقالہ نگاروں میں مشہور محدث احمد شاکر، استاد محبّ الدین الخطیب، شیخ محی الدین عبدالحمید، شیخ محمود شلتوت شیخ الازہر وغیرہ تھے، شیخ فقی نے ''مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ'' قائم کرکے سلف کی کتابوں خاص طور سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتابوں کی طباعت واشاعت کا بیڑا اٹھایا، ان کی ان دونوں سے محبت نے جامعہ ازھر کے شیخ محمود شلتوت اور شیخ عبدالحمید سلیم کو اکٹھا کردیا اور انھوں نے شیخ فقی کی دعوت کی تائید کی، دوسری عالمی جنگ میں شیخ فقی نے برطانیہ کے خلاف مجاہدین آزادی کا ساتھ دے کر وطنی جہاد میں بھی حصہ لیا اور برطانوی تسلط کے خلاف کتابیں طبع کروائیں، شیخ حامد الفقی کی وفات کے بعد جماعت کی صدارت شیخ عبدالرزاق عفیفی ازہری کے حصہ میں آئی، سعودیہ سے آپ کے گہرے روابط تھے، ھیئۃ کبار العلماء سعودیہ کے آپ رکن تھے اور بڑے بڑے افاضل روزگار شیخ ابن جبرین، شیخ لحیدان، شیخ عبدالعزیز آل شیخ، دکتور صالح الفوزان وغیرہ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں، اسی طرح شیخ عبدالرحمٰن الوکیل (۱۳۳۲ھ، ۱۳۹۰/۱۹۱۳م، ۱۹۷۱م) جماعت کی سرکردہ شخصیات اور جماعت کے صدور میں سے ہیں اور ڈاکٹر خلیل ہراس صاحب شرح عقیدہ واسطیہ اور قصیدہ نونیۃ ابن قیم ان کے نائب تھے، حکومت مصر کی بعض کارروائیوں سے جماعت کا نشاط ٹھپ ہوگیا، پھر اس کے نشاط کا دوسرا مرحلہ شیخ محمد عبدالمجید الشافعی (۱۳۳۸ھ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۱۹م، ۱۹۹۰م)

کے ہاتھوں شروع ہوا،ان کے بعد شیخ محمد علی عبدالرحیم (ف ۱۹۹۱م) رئیس منتخب ہوئے اوران کے بعد شیخ صفوت نورالدین (ف ۲۰۰۲م) رئیس منتخب ہوئے اوران کے بعد دکتور جمال المراکبی (۲۰۰۹م) تک جماعت کے صدرر ہے اور موجودہ صدر جماعت ڈاکٹر عبداللہ شاکر الجنیدی ہیں۔

اور جہاں تک ''حزب النور'' کی بات ہے جس نے موجودہ مصری پارلیمانی انتخاب میں دوسرے درجہ کی نمایاں کامیابی حاصل کی ہے وہ ایک خالص سلفی جماعت ہے جس نے پہلی بار سیاسی معرکہ میں حصہ لیا ہے اوراپنے سلفی ہونے پر اسے مکمل یقین بھی ہے ،ڈاکٹر خالد السلطان کے بقول:مصر میں سلفی علماء کا ایک بازو ہے جوخود انتخابات میں حصہ لینے اور قوم کے مناسب لوگوں کی تقویت وتائید کی مصلحت کے قائل ہیں جب کہ سلفی علماء کا دوسرا بازو اسے موجودہ حالات میں مقام دعوت کے لئے نقصان دہ خیال کرتا ہے اورقوم کے صالح ومصلح افراد کی تائید کو افضل مانتا ہے،اس لئے کہ دعاۃ کے سیاست میں داخل ہونے کے منفی اثرات ہوسکتے ہیں اوراندیشہ ہے کہ دعوت اس منفی اثر سے متاثر ہوجائے ،بہر حال ہر ملک کے علماء اپنے مصالح زیادہ جانتے ہیں ،ہم مصر اوراس کی قوم کے مصالح کے لیے اپنے ان بھائیوں کی تقویت کے لیے آمادہ ہیں۔ جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی الکویت کی ''لجنۃ شرعیۃ'' کے صدر ڈاکٹر ناظم المسباح کے بقول:مصری سلفیوں کا سیاسی معرکہ میں حصہ لینا ایک مثبت قدم ہے،اس میدان میں انھیں اپنے دیگر سلفی اخوان کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے،سیکولر اور لیبرل لوگوں سے کہا کہ: آپ لوگوں نے بہت سے یورپین اصول ومبادی کو آزمایا اورفقر ومشکلات کے جن درجات تک پہونچے وہ معلوم ہے ،لہذا اسلام پسندوں کو شرع اللہ کی تنفیذ کے لیے آزادی دیجئے اور نتائج کا انتظار کیجئے ،حزب النور کی تائید ڈاکٹر بسام الشطی ،ڈاکٹر صالح الفوزان،ڈاکٹر سلیمان معرفی،ڈاکٹر احمد الکوس،ڈاکٹر راشد العلیمی وغیرہ نے دینی وسلفی نقطہ نظر سے صراحت کے ساتھ کی ہے،حزب النور کے ترجمان ڈاکٹر یسری حماد حزب النور کی شاندار پارلیمانی کامرانی کے بعد کہتے ہیں کہ: ان شاءاللہ مصر کی ایسی دستور سازی کرنی ہے جو مصر کے اسلامی وعربی تشخص کا محافظ ہو،معاشرہ کی مشکلات کو حل کیا جائے گا،جیسے بیکاری اورتنخواہوں کی کمی،نیز دائمی مسائل جیسے سیاسی بگاڑ،رہائشی مسائل اورمحتاجگی وغیرہ سے نمٹا جائے گا،سلفی منہج استدلال کی اساس پر قائم ہے،اس میں قیادت کی بھرپور صلاحیت ہے اس کے افراد طبیب،انجینیر ،اوراعلیٰ درجہ کے اصحاب فہم ودانش ہیں حتی کہ مخالفین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ سلفی سیاسی مسائل کا ایسا مناقشہ اورتجزیہ کرتے ہیں گویا یہ قدیم سیاسی پارٹی کے تجربہ کار افراد ہیں ،ڈاکٹر حماد کہتے ہیں: سلفی منہج ٹکراؤ اور تصادم میں یقین نہیں رکھتا بلکہ گفتگو،تجزیہ اور اسلامی منہج پر چلتے ہوئے دوسروں کو قائل بنانے پر یقین رکھتا ہے،ہم ایسی حکومت کے قیام کی کوشش میں ہیں جو زمین کو آسمان سے جوڑ دے اور دنیا کو آخرت کے ساتھ مربوط کردے۔

☆☆☆

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تحریر: ڈاکٹر صالح السحیمی ترجمہ مولانا عبدالمعین سلفی

(۴) عید میلاد النبی کی قباحت پر سلف صالحین کے اقوال

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفة اصحاب الجحیم''میں عید میلاد النبی سے متعلق لکھتے ہیں: سلف صالحین نے ایسی عید نہیں منائی جب کہ اسے منانے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی، اور اسے منانے کا تقاضہ بھی موجود تھا، لہذا یہ چیز اگر خالص خیر و بھلائی ہوتی، یا خیر کا پہلو کسی اعتبار سے بھی غالب ہوتا تو سلف صالحین اسے منانے کے ہم سے زیادہ حق دار تھے، کیوں کہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سے کہیں زیادہ تعظیم کرتے تھے، اور آپ سے زیادہ محبت کرتے تھے اور وہ لوگ حصول خیر کے بہت ہی حریص تھے۔

دوستو! رسول پاک سے محبت اور تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی اطاعت اور اتباع کی جائے، آپ کے احکام کو بجالایا جائے، ظاہری و باطنی طور پر آپ کی سنت کو زندہ کیا جائے، آپ جن تعلیمات کو لے کر اس دنیا میں مبعوث کئے گئے تھے، اس کو پھیلایا جائے، اس کے لئے ہاتھ، دل اور زبان سے جہاد کیا جائے، کیوں کہ یہی پہلے گذرے ہوئے مہاجرین، انصار اور ان کے تابعین کا طریقہ رہا ہے۔(۱)

آپ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شب ولادت کے موقع پر ختم قرآن کرنا مستحب ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا: ہر قسم کی حمد وثنا اللہ جل شانہ کے لئے ہے، عیدین۔عیدالفطر وعیدالاضحیٰ۔اور ایام تشریق میں لوگوں کا کھانے کے لئے جمع ہونا سنت ہے اور یہ اسلام کے ان شعائر میں سے ہے، جنہیں رسول پاک ﷺ نے مسلمانوں کے لئے مسنون قرار دیا ہے اسی طرح ماہ رمضان میں فقیروں اور محتاجوں کی مدد کرنا بھی اسلام کی سنت ہے، چنانچہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا''من فطر صائمافله مثل أجره''(۲)''جس نے کسی روزہ دار کو افطاری کروائی تو اس کو بھی روزہ دار کے برابر روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا''

اسی طرح محتاج اور نادار طالب علموں کو کچھ دینا جس کے ذریعہ انہیں قرآن پڑھنے اور حفظ کرنے میں مدد مل سکے، ایک نیک عمل ہے، جس نے اس مقصد کے لئے ان کی مدد کی تو وہ سب ثواب میں برابر ہوں گے۔لیکن شرعی تہواروں کو چھوڑ کر دوسری عیدیں اور تہوار منانا اور محفلیں رچانا جیسے کہ ربیع الاول کی بعض راتوں میں ہوتا ہے، جسے ولادت رسول کی رات کہا جاتا ہے، یا اسی طرح رجب کی پہلی رات یا ۱۸/ ذی الحجہ یا رجب کے پہلے جمعہ یا ۸/شوال جسے جاہل لوگ عیدالابرار کہتے ہیں، یا

(۱) الابداع فی مضار الابتداع ص۲۵۱۔ (۲) المحاضرات الفکریہ ص۸۴

اس جیسی دوسرے ایام کی یہ ساری مخصوص محفلیں اور جشن ان بدعتوں میں سے ہے،جنہیں سلف صالحین میں سے کسی نے بھی نہیں کیا ہے اور نہ ہی انہوں نے اسے مستحب جانا ہے۔(۱)

علامہ تاج الدین فاکہانی اپنی کتاب''المورد فی الکلام علی عمل المولد''میں لکھتے ہیں:حمد وصلاۃ کے بعد :مبارکین کی ایک جماعت بار بار یہ سوال کرتی ہے کہ بعض لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں جشن میلادالنبی کے نام سے جواجتماع کرتے ہیں،کیا اس کی کوئی شرعی دلیل ہے،یا وہ دین میں بدعت ہے؟

اس سوال کا تفصیلی جواب یہ ہے کہ اس محفل میلاد کی کتاب وسنت سے میں کوئی دلیل نہیں جانتا،اور علمائے امت جو متقدمین کے آثار کی اتباع کرنے والے اور دین کے پیشوا ہیں،ان سے بھی یہ عمل منقول نہیں ہے،یہ تو بدعت ہے،جسے جھوٹوں اور مکاروں نے ایجاد کیا ہے،اسے محض نفس پرستی کے نتیجہ میں لوگ بجالاتے ہیں،اور اس کا اہتمام لوگوں کا مال لوٹنے والے کرتے ہیں،میرے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ جب ہم اسلام کے احکام خمسہ کو اس عمل پر منطبق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے اس عمل کو واجب،مندوب،مباح،مکروہ،یا حرام میں کسی ایک میں داخل ہونا چاہئے لیکن علماء امت کا اجماع ہے کہ یہ عمل نہ تو واجب ہے اور نہ ہی مندوب،اس لئے کہ مندوب کا اطلاق اس عمل پر ہوتا ہے،جو شریعت میں مطلوب ہو،لیکن اس کے چھوڑنے پر گناہ نہ ہو،جب کہ یہ عمل(محفل میلاد)ایسا ہے کہ شریعت نے اسکی اجازت ہی نہیں دی ہے،اور میرے علم کے مطابق صحابہ،تابعین اور دین دار علماء امت نے اسے کیا بھی نہیں ہے،اگر بروز قیامت اس مسئلہ کے متعلق مجھ سے سوال ہوا تب بھی میں یہی جواب دوں گا-اسی طرح یہ عمل مباح بھی نہیں،کیوں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرنا مباح نہیں ہے،لہذا یہ عمل یا تو مکروہ ہوگا یا حرام۔(۲)

علامہ ابن الحاج اپنی کتاب''المدخل''میں اپنے زمانے میں منتشر ناجائز میلادی عیدوں اور ان کے مفاسد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:اگر عید میلادالنبی،سماع(یعنی اس دن نعت خوانوں کی گلوکاری اور قوالوں کی قوالی،ڈھول تاشے کی آواز)اور اس عید کی نیت پر کھانا پکایا جائے،اور لوگوں کو اس کھانے اور خوشی میں شریک ہونے کے لئے اپنے گھر دعوت دی جائے،تو یہ امور سلف لحین سے ثابت نہیں،سلف صالحین کی اتباع اس بات سے اولی ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ کسی عمل کے بارے میں ایسی نیت کی جائے جو ان کے طریقہ ومنہج کے خلاف ہو،کیونکہ وہ سنت رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ متبع اور تعظیم کرنے والے تھے،سنت رسول اللہ کی اتباع اور تعظیم میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں،ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ اس نے میلاد نبوی ﷺ کی نیت کی ہو،چونکہ ہم ان کے تابع ہیں لہذا ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے جتنا انہوں نے ہمارے لئے چھوڑا ہے،جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ شروع سے آخر تک ان کی اتباع کرنا ہم پر شرعا واجب ہے۔

ابو عبداللہ محمد الحفار کا قول ہے کہ:سلف صالحین اور ان کے پیروکار رسول پاک ﷺ کی شب ولادت میں کسی عبادت

(۱)صحیح البخاری مع الفتح ۶۳۰/۸ (۲)الابداع فی مضار الابتداع ص ۱۴۱

کے لئے یکجا نہیں ہوتے تھے، اور سال کی بقیہ راتوں میں زیادہ کوئی کام نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ رسول پاک کی تعظیم اس طرح مطلوب ہے، جسطرح شریعت نے متعین کیا ہے، اور آپ کی تعظیم کرنا اللہ کی قربت حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، لیکن یہ حصول قربت بھی مشروع طریقہ پر ہونا چاہئے، سلف صالحین سے اس عمل کے عدم ثبوت کی دلیل یہ ہے کہ وہ آپ کی زمانہ ولادت میں مختلف ہیں، اسی طرح دن کی تعیین میں بھی چار اقوال ہیں، پس اگر اس رات میں جس کی صبح آپ کی ولادت ہوئی ہے، آپ کی پیدائش کی وجہ سے کسی عبادت کی ایجاد ہوئی ہوتی تو وہ معلوم ومشہور ہوتی اور اس میں اختلاف نہ ہوتا۔

لہذا معلوم ہوا کہ عید میلاد النبی کے نام پر تعظیم کی یہ زیادتی مشروع نہیں ہے، آپ دیکھئے کہ جمعہ کا دن سب سے بہتر دن ہے اور اس دن جو سب سے افضل کام ہونا چاہئے وہ یہ کہ اس دن روزہ رکھا جائے، لیکن اتنی فضیلت کے باوجود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھنے سے منع فرمادیا، پس معلوم ہوا کہ کسی بھی جگہ، کسی بھی زمانے میں کوئی عبادت اس وقت تک نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ مشروع نہ ہو، کیوں کہ اس امت کے بعد میں آنے والے لوگ ان لوگوں سے بہتر اور ہدایت والا کام نہیں کرسکتے، جس کو پہلے لوگوں۔صحابہ وتابعین۔نے کیا ہے، اگر خود ساختہ عقلی دلائل پر شریعت کو چھوڑ دیا جائے تو کچھ لوگ کہیں گے کہ ہجرت نبوی کا دن ایسا دن ہے جس دن اللہ نے اسلام کو عزت وقوت بخشی، لہذا اس دن جشن منایا جائے اور خاص عبادتیں کی جائیں، پھر کچھ دوسرے لوگ آئیں گے اور کہیں گے کہ شب معراج میں رسول پاک ﷺ کو وہ چیزیں حاصل ہوئی تھیں جو آپ کی قدرت سے باہر تھیں، اور یہ آپ کے لئے بہت بڑا اشرف تھا، لہذا اس دن بھی جشن اور عید منانا چاہئے اور کچھ عبادتیں خاص کرنی چاہئیں، اسطرح ان تہواروں، جشنوں اور محفلوں کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔لہذا دوستو! خیر کامل ان سلف صالحین کی اتباع میں جنہیں اللہ تعالی نے اپنے نبی کے لئے منتخب کیا، جوانھوں نے کیا ہے ہم اسی کو کریں اور جسے انہوں نے چھوڑ دیا ہے ہم اسے چھوڑ دیں، خلاصہ یہ کہ اس رات محفلیں منعقد کرنا اور عید میلاد النبی منانا شرعا ثابت ومطلوب نہیں ہے، بلکہ اسلام میں اسے چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔(۱)

سید علی فکری نے اپنے سولہویں درس میں کہا ہے کہ: کسی کی میلادی محفلیں رچانا اور جشن منانا اہل عرب کا طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی پوری اسلامی تاریخ میں یہ چیز ثابت ہے، کتب تاریخ تو اس بات پر شاہد ہیں کہ عید میلاد النبی منانا ان عادات میں سے ہیں جو دین میں نئی ایجاد کی گئی ہیں(۲)

شیخ محمد بن عبدالسلام خضر الشقیری نے اپنی کتاب ''السنن والمبتدعات المتعلقة بالاذكار والصلاة'' میں ربیع الاول اور عید میلاد النبی کے باب میں لکھا ہے کہ: اس مہینہ میں کوئی خاص نماز، ذکر، عبادت اور نفقہ وصدقہ نہیں ہے، اور نہ ہی یہ مہینہ اسلام کے ان تہواروں میں سے ہے جن کو شریعت نے ہمارے لئے اپنے انبیاء پر جمعہ اور عیدوں کی طرح مشروع کیا

(۱) الخطط ۱/۴۹۰، مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان (سبط ابن الجوزی ۳۱۰/۸

(۲) التحذیر من البدع (عبدالعزیز بن باز) و: القول الفصل فی حکم الاحتفال بمولد خیر الرسل (اسماعیل انصاری) ص ۲۷، ۲۸

ہو،اس مہینہ میں رسول پاک ﷺ کی ولادت بھی ہوئی اور وفات بھی ،لیکن کیا وجہ ہے کہ لوگ آپ کی ولادت پر خوشیاں تو مناتے ہیں لیکن آپ کی وفات پر غم نہیں کرتے ،آپ کی یوم ولادت کو عید منانا اور اس دن محفلیں رچانا ،بدعت اور کھلی ہوئی گمراہی ہے،نہ تو شریعت اسلام نے اسکی اجازت دی ہے اور نہ ہی عقل اس بات کو قبول کرتی ہے،اگر اس میں خیر و بھلائی کا کوئی پہلو ہوتا تو ابو بکر وعمر،عثمان وعلی اور بقیہ صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین اور تابعین وتبع تابعین رحمھم اللہ کیسے اس سے غافل رہتے ،درحقیقت یہ تو صوفیوں ،پیٹ پجاریوں ،اور جھوٹے بدعتیوں کی ایجاد ہے،لوگوں نے بس یونہی دیکھا دیکھی اسے منانا شروع کردیا،اس سے وہی بچ سکتا ہے جسے اللہ بچائے اور اسے دین اسلام سمجھنے کی توفیق دے(۱)

مذکورہ بالا اقوال سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سلف صالحین میں سے کسی نے بھی جشن میلاد نہیں منائی ، بلکہ وہ لوگ اس برے فعل سے الگ رہے،اورانہوں نے کسی چیز کو چھوڑ رکھا تو صرف اسی لئے کہ اس میں خیر و بھلائی کا کوئی پہلو نہیں ،جیسے کہ علامہ ابن الحاج نے اپنی کتاب ''المدخل'' کی چوتھی جلد میں لکھا ہے،چنانچہ آپ صلاۃ الرغائب کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:سلف صالحین کے بعد جو کچھ عبادتیں بھی ایجاد کی گئیں وہ تین حالتوں سے خالی نہیں۔

☆یا تو انہیں اس کا علم تھا کہ یہ عبادت شریعت کے موافق ہے اور پھر اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا(جب کہ نعوذ باللہ صحابہ کرام اس تہمت سے بری ہیں)لہذا اگر اس بات کو سچ مان لیں تو اس سے ان کی گستاخی لازم آتی ہے اور ان پر ان کے بعد آنے والوں کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے،جبکہ یہ معلوم ہے کہ وہ لوگ تمام لوگوں سے ہر چیز میں کامل تھے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ پیروکار تھے۔

☆اور یا تو انہوں نے اس حکم کو جانا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور چھوڑا تو اس لئے کہ وہاں کوئی وجہ تھی جس نے اسے چھوڑنا واجب کردیا تھا،لہذا جس چیز کو جانتے ہوئے انہوں نے چھوڑ دیا اس کو ہم کیوں کر کریں گے؟اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

☆اور یا تو انہوں نے اس عبادت اور حکم کو جانا ہی نہیں ،پس اس کے بعد جس نے اس حکم یا عبادت کے علم کا دعوی کیا تو وہ نیکیوں کے حصول اور اتباع سنت میں صحابہ کرام سے زیادہ باعلم ،اور افضل ٹھہرا،جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے،کیوں کہ اگر وہ چیز بہتر ہوتی تو وہ لوگ اسے ضرور جانتے اور ان کے لئے وہ عمل ضروری ظاہر ہوتا،اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ سمجھدار اور جاننے والے تھے۔مطرف بن عبداللہ بن الشخیر کا قول ہے کہ لوگوں کی عقلیں ان کے زمانے کے مطابق ہوتی ہیں،اسی وجہ سے ان صحابہ کے یہاں دین اور عقیدہ میں کوئی اشکال نہیں تھا،کیوں کہ ان کی عقلیں کامل تھیں،دین میں شکوک وشبہات تو اس وقت رونما ہوئے جب عربی اور عجمی زبانوں میں آمیزش ہوگئی،پھر اہل عجم کی کم عقلی اور نافہمی کی وجہ سے جو کچھ واقع ہوا وہ ہوا۔

علامہ ابن الحاج کے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ سلف صالحین نے یا تو اس عمل (محفل میلاد) کو جانا اور اس پر عمل کیا،یا جانا اور اس پر عمل نہیں کیا،اور یہ دونوں چیزیں ان کے حق میں غلط ہیں،کیوں کہ وہی لوگ فضیلت میں ہم پر سبقت لے

(۱)القول الفصل(اسماعیل انصاری)ص۳۰۲،۳۰۴

گئے اور انہوں نے شریعت کی کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہیں رکھی ہے۔

قارئین کرام! گذشتہ اقوال اور سیرت سلف کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بعد دین میں جو کچھ بھی ایجاد کیا گیا وہ بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے، مزید برآں ہمیں جاننا چاہئے کہ سلف صالحین نے اگر کسی عمل کو چھوڑا ہے تو اس لئے چھوڑا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو چھوڑا ہے، اور جس چیز کو آپ چھوڑ دیں اسکو چھوڑے رہنا ہی اسی طرح آپ کی سنت ہے، جس طرح آپ کے اقوال وافعال پر عمل پیرا ہونا آپ کی سنت ہے، لہذا رسول اللہ ﷺ کی چھوڑی ہوئی چیز کو جس نے مستحب سمجھا تو اس نے آپ کے افعال پر ترک عمل کو بھی مستحب سمجھا، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

علامہ شمس الدین ابن القیم نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں اس کی وضاحت کی ہے آپ نے لکھا ہے کہ: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارے پاس اس بات کی کون سی دلیل ہے کہ اس کو رسول پاک ﷺ نے نہیں کیا ہے اور یہ فعل آپ سے منقول نہیں، حالانکہ عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور سنت کی معرفت سے اس سوال کا دور کا بھی تعلق نہیں، اگر ہم اس قسم کے سوال کو صحیح مان لیں اور اسے قبول کرلیں تو کوئی استحبابی بدعتی یہ کہہ سکتا ہے کہ نماز تراویح کے لئے اذان دنیا بھی مستحب ہے، اور دوسرا یہ کہہ سکتا ہے کہ اذان کے بعد ہر نماز کے لئے غسل کرنا مستحب ہے، پھر تیسرا یہ کہہ سکتا ہے کہ اذان کے بعد بآواز بلند ''یرحمکم اللہ'' (اللہ تم پر رحم کرے) کہنا مستحب ے، اور چوتھا کہہ سکتا ہے کہ خطیب کو کالا کپڑا، چغہ اور عمامہ باندھنا، ایسے ہی باڈی گارڈ کے ساتھ نکلنا جو سامنے بآواز بلند راستہ صاف کراتا رہے، اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا جب بھی تذکرہ ہو تو اجتماعی یا انفرادی طور پر موذنوں کا آواز بلند کرنا یہ سب مستحب ہے، اور پانچواں کہہ سکتا ہے کہ شعبان کی پندرہوں یا رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو نماز ادا کرنا مستحب ہے، اور سب کے سب یہی کہیں گے کہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ساری چیزیں منقول اور ثابت نہیں ہی؟، پھر تو بدعتوں کا دروازہ کھل جائے گا اور جو بھی بدعت کو ایجاد کرے گا اور اس کی دعوت دے گا وہ یہی کہے گا کہ تمہارے پاس اس کے عدم ثبوت کی کیا دلیل ہے۔ لہذا میں کہتا ہوں کہ ان ساری چیزوں کا شریعت میں منقول نہ ہونا ہی اس کی عدم مشروعیت کی دلیل ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے سبزیوں میں زکوۃ نہیں لیا، جب کہ ہر سال لوگ مدینہ اور اس کے پڑوس میں اسکی کھیتی کرتے تھے، لیکن آپ نے نہ تو ان سے زکوۃ کا مطالبہ کیا اور نہ ہی انہوں نے زکوٰۃ دیا(۱)

مذکورہ سطروں میں جن بعض اسلاف کے اقوال کو میں ذکر کیا، ان میں صحیح مسلک کا صحیح منہج موجود ہے جس پر چلنا اور اسے اپنانا ہر محبّ رسول ﷺ، سچے مومن و مسلمان پر واجب ہے۔

☆☆☆

(۱) صحیح مسلم ۱۷۸۲/۴۔ مسند احمد ۳۴۸/۵

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

نصاب تعلیم (۲)

(قسط:۱۸) مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ

محدث کے فروری ۲۰۱۱ء کے شمارے میں مدرسہ کے نصاب پر گفتگو ہو چکی ہے، تلاش بسیار کے باوجود اس وقت تک مجھے مدرسہ کا مکمل نصاب دستیاب نہ ہو سکا تھا، اس لیے متفرق مراجع سے مدرسہ میں مقررہ نصابی کتابوں کا نام اکٹھا کر کے انہیں فن کی ترتیب سے مرتب کر کے پیش کیا گیا تھا، ساتھ ہی اس نصاب کی خصوصیات وفوائد کے بیان پر مشتمل علماء کی تحریریں بھی پیش کی گئی تھیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے محترم شیخ عارف جاوید محمدی صاحب کو جنھوں نے مدرسہ کے نصاب تعلیم اور قواعد وضوابط کی ایک کاپی میرے پاس ارسال فرمانے کی زحمت کی۔ یہ تحریر دارالحدیث رحمانیہ ہی سے شائع ہونے والے رسالہ ماہنامہ ''محدث'' دہلی میں بطور ضمیمہ رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ شیخ محمدی صاحب کے شکریے کے ساتھ اس شمارے میں مدرسہ کا مکمل نصاب ضمیمہ محدث ہی کی ترتیب کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ آخر میں نصاب سے متعلق کچھ وضاحتیں بھی ہیں، جن سے بعض استفسارات کا جواب مل جاتا ہے۔

			ماہ		ماہ
جماعت ادنی	کتب ضروری	۱-فارسی		۲-میزان ومنشعب	۴
		۳-پنج گنج مع زبدہ	۵	۴-نحومیر	۶
		۵-باکورۃ الادب	۶	۶-املانویسی	۹
	کتب اختیاری	۱-ہمارے رسول		۲-خلاصہ تاریخ	

			ماہ		ماہ
جماعت اولی	کتب ضروری	۱-شرح مائۃ عامل	۶	۲-ہدایۃ النحو	۴
		۳-علم الصیغہ تا باب چہارم (خارج)	۶	۴-کبری	۳
		۵-ترجمہ قرآن مجید دو پارہ (۲۹-۳۰)	۴	۶-مجانی الادب تا ص ۸۸	۹
		۷-انشاء متعلقہ اخلاق بزبان اردو	۹		
	کتب اختیاری	۱-آئینۂ کتاب نما		۲-جغرافیہ ہندوستان ۳-اورنگ زیب عالمگیرؒ پر ایک نظر	

جماعت ثانیہ	کتب ضروری	ماہ ۱-فصول اکبری .... ۹ ۳-ترجمہ قرآن مجید ۵ پارے (از۲۴تا۲۸) ۶ ۵-مرقاۃ .... ۵ ۷-انشاء متعلقہ اقتصادیات بزبان اردو ۹	ماہ ۲-کافیہ .... ۴ ۴-بلوغ المرام .... ۹ ۶-دروس التاریخ حصہ اول ودوم ۶
	کتب اختیاری	۱-سیرت امین ۲-الفاروق ۳-جغرافیہ ایشیا	

جماعت ثالثہ	کتب ضروری	ماہ ۱-ترجمہ قرآن مجید آٹھ پارے (از۱۶تا۲۳) ۸ ۳-شرح وقایہ جلد اول .... ۹ ۵-شرح تہذیب .... ۹ ۷-دروس التاریخ حصہ سوم ۳	ماہ ۲-مشکوۃ جلد اول .... ۹ ۴-شرح جامی تا مرفوعات ختم ...... ۵ ۶-رشیدیہ .... ۳ ۸-ترجمتین وجواب مضمون متعلقہ مذہب بزبان اردو ۹
	کتب اختیاری	۱-فوز الاصغر ۲-تاریخ فلسفۂ اسلام ۳-تہذیب الاخلاق ۴-عقیدہ احمد بن حنبل	

جماعت رابعہ	کتب ضروری	ماہ ۱-مشکوۃ جلد ثانی .... ۹ ۳-قطبی تصدیقات (مختلطات خارج) ۶ ۵-نور الانوار تا بحث حقیقہ ومجاز ...... ۹ ۷-اقلیدس نصف اول از مقالہ اولی ۳ ۹-ترجمتین وجواب مضمون متعلقہ اخلاق بزبان عربی ۹	ماہ ۲-شرح وقایہ جلد ثانی تا کتاب العتق ۸ ۴-تلخیص المفتاح .... ۹ ۶-نقطۃ الدائرۃ .... ۳ ۸-سبعہ معلقہ (۴ معلقے اول) ۳
	کتب اختیاری	۱-مفتاح السنۃ ۲-اعجاز القرآن ۳-نہایۃ الایجاز	

جماعت خامسہ	کتب ضروری	ماہ ۱-تفسیر جلالین نصف اول............ ۹ ۳-مختصر المعانی فن اول............ ۶ ۵-سراجی.......................... ۶ ۷-قطبی تصورات.................. ۳ ۹-شرح نخبہ........................ ۴	ماہ ۲-ترمذی............................ ۹ ۴-دیوان متنبّی تا قافیہ اول...... ۶ ۶-ہدیہ سعیدیہ تا فصل فی المعادن (از فصل فی المزاج تا فصل فی کائنات الجو خارج ۷ ۸-شرح عقائد تا بحث عذاب قبر ۴ ۱۰-ترجمتین و جواب مضمون متعلقہ اقتصادیات بزبان عربی ۹
	کتب اختیاری	۱-الفوز الکبیر و تاریخ علم الشرائع ۲-بدایۃ المجتہد ۳-حجۃ اللہ البالغۃ	

جماعت سادسہ	کتب ضروری	ماہ ۱-ابوداود.......................... ۹ ۳-صدرا تا بحث مکان.............. ۸ ۵-مقامات حریری، ۱۵ مقامے اول ۵ ۷-تاریخ خضری حصہ اول...... ۶	ماہ ۲-نسائی............................ ۹ ۴-سلم العلوم........................ ۹ ۶-تصریح............................ ۴ ۸-ترجمتین و جواب مضمون متعلقہ تصوف بزبان عربی ۹
	کتب اختیاری	۱-رسالہ حمیدیہ ۲-مقاصد الفلاسفہ ۳-معیار العلم	

جماعت سابعہ	کتب ضروری	ماہ ۱-بخاری شریف جلد اول............ ۹ ۳-تفسیر بیضاوی پارہ اول.......... ۷ ۵-حمد اللہ تا بحث شرطیات........... ۷ ۷-شرح چغمینی تا بحث قسی...... ۳	ماہ ۲-مسلم شریف کامل................ ۹ ۴-موطأ امام مالک.................. ۹ ۶-مسلم الثبوت...................... ۴ ۸-ترجمتین و جواب مضمون متعلقہ ادب عربی بزبان عربی ۹
	کتب اختیاری	۱-تاریخ اسلام ۲-نقد الشعر ۳-البیان والتبیین	

جماعت ثامنہ	کتب ضروری	ماہ ۱-بخاری شریف جلد ثانی .... ۹ ۳-توضیح تلویح تا بحث حقیقیہ ومجاز (داخل) ۸ ۵-میر زاہد امور عامہ .... ۹ ۷-دیوان حماسہ (باب الحماسہ والادب) ۴
		ماہ ۲-ہدایہ جلد ثالث تا کتاب الوکالۃ ۸ ۴-قاضی تا بحث موضوع .... ۶ ۶-اشارات .... ۹ ۸-ترجمتین وجواب مضمون متعلقہ مذہب بزبان عربی ۹
	کتب اختیاری	۱-تہافت الفلاسفۃ ۲-مقدمہ فتح الباری ۳-شرح مقاصد ۴-زادالمعاد

ایقاظ

نوٹ: ان تمام قواعد ونصاب میں بموقعہ ضرورت ہر قسم کی تبدیلی کا ناظم مدرسہ کو اختیار ہے۔

(۱) ہر متعلم کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی جماعت کے کتب اختیاری میں سے کسی ایک کتاب یا دو کتاب کا (دو سے زائد نہیں) امتحان پرائیویٹ طور پر مطالعہ کر کے دے سکتا ہے۔ (اً) کتب اختیاری سے حاصل کردہ نمبر اس کے مجموعی نمبروں میں بطور امداد شامل کیے جائیں گے۔ (ب) کتب اختیاری کے نمبر اس صورت میں مجموعہ نمبروں میں شمار نہیں کیے جاویں گے کہ جب وہ کتب ضروری میں سے دو کتابوں میں پے در پے ۱۵/۱۵ نمبر سے کم حاصل کرے۔

(۲) وہ طلبہ جو جماعت اولی میں داخل نہیں ہو سکتے اور تحریر وفارسی میں اتنی قابلیت رکھتے ہیں جس سے ابتدائی کتب صرف نحو بخوبی سمجھ سکیں ان کے لیے ابتدائی کتب صرف ونحو کی تعلیم کا بہ نام جماعت ادنی مدرسہ میں انتظام ہوگا جس کا نصاب صرف ایک سال میں ختم کر لینے کے بعد (بشرط کامیابی) جماعت اولیٰ میں داخل کر لیے جائیں گے۔

نوٹ: چونکہ جماعت ادنیٰ اور اولیٰ میں عموماً نوعمر بچے ہوتے ہیں اس لیے بڑی عمر کے لوگوں کو ان دونوں جماعتوں میں داخل کرنے سے احتیاط اولیٰ سمجھی جاتی ہے۔‘‘(۱)

☆☆☆

(۱) ضمیمہ رسالہ محدث دہلی: رمضان ۱۳۵۵ھ = ۱۹۳۶ء، ص: ۲-۱۱۔

سود-معاشرے کوتباہ کرنے والا گناہ

محمد انور محمد قاسم سلفی/کویت

سود انسانیت کے خلاف ایک عظیم معاشرتی جرم ہے، جو بدقسمتی سے تمام انسانی معاشروں میں کینسر کی طرح پھیلا ہوا ہے،کوئی انسان ،کوئی تجارت اور کوئی بینک اس کی دسترس سے شاید ہی بچا ہو، یہ معاملہ اس قدر عام ہوگیا ہے کہ اسے حرام وناجائز سمجھنے والوں کو اہل دنیا مجرم سمجھنے لگے ہیں، جب کہ اس کا عام ہونا قیامت کی ایک علامت ،اور ملکوں اور قوموں کی تباہی وبربادی کا پیش خیمہ ہے،اس تباہ کن گناہ کی حرمت کے متعلق اسلام کے کچھ احکام قارئین کے پیش خدمت ہیں ،تاکہ مسلمان اس معاملے کی سنگینی کا ادراک کریں اور اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

سود کی تعریف:

سود کو عربی زبان میں ''ربا'' کہتے ہیں ،جس کا لغوی معنی ''زیادہ ہونا، پروان چڑھنا، اور بلندی کی طرف جانا ہے۔

اور شرعی اصلاح میں ربا (سود) کی تعریف یہ ہے کہ: ''کسی کو اس شرط کے ساتھ رقم ادھار دینا کہ واپسی کے وقت وہ کچھ رقم زیادہ لے گا''۔مثلاً کسی کو سال یا چھ ماہ کے لئے ۱۰۰ روپئے قرض دئے ،تو اس سے یہ شرط کرلی کہ وہ ۱۰۰ روپے کے ۱۲۰ روپے لے گا، مہلت کے عوض یہ جو ۲۰ روپے زیادہ لئے گئے ہیں، یہ سود ہے''۔

سود کی حرمت:

عرب میں سود کا عام رواج تھا، لین دین اور کاروبار میں اس کی کئی قسمیں مروج ہوچکی تھیں، مکہ مکرمہ میں چونکہ ابھی اسلامی معاشرہ پوری طرح وجود میں نہیں آیا تھا، جس کی وجہ سے اسلام کے اکثر احکام مدینہ منورہ میں نازل ہوئے، جہاں کہ اسلامی ماحول ومعاشرہ اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ وجود پذیر ہوچکا تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے اوائل میں ہی سود کو حرام قرار دیا۔فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ:''اے ایمان والو!اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے پاس باقی رہ گیا ہے اگر ایمان والے ہو تو اسے چھوڑ دو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے جنگ کیلئے خبردار ہوجاؤ، اگر تم نے توبہ کرلی تو اصل رقم تمہاری ہوگی، نہ تمہیں ظلم کرنا چاہئے ،اور نہ تم پر ظلم ہونا چاہئے ،اگر قرض دار تنگ دست ہو تو سہولت ہونے تک اسے مہلت دی جائے ،اور تمہارا انہیں معاف کردینا ،اگر تم سمجھتے ہو تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے''۔(البقرہ:۲۷۵-۲۸۰)

ترجمہ:''اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا کر سود نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ، اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے، اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔(آل عمران:۱۳۱-۱۳۲)

حجۃ الوداع کے موقع پر، جس میں تقریبا سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرب کے چپے چپے سے امنڈ آئے تھے، اس میں بھی

خصوصیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارتی اور مہاجنی ہر طرح کے سود کی حرمت کا اعلان فرمایا: ''سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روندی گئی، اور جاہلیت کا سود ختم کردیا گیا، اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کا سود ہے۔ اب یہ سارے کا سارا سود ختم ہے''۔ (بخاری)

سود کی مذمت احادیث میں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سات تباہ کرنے والے گناہوں سے بچو! کہا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسے ہیں؟ فرمایا: ۱- اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ۲- جادو کرنا (یا کرانا)، ۳- کسی کی جان ناحق لینا، ۴- یتیم کا مال کھانا، ۵- سود کھانا، ۶- میدان جنگ میں بزدلی دکھا کر بھاگنا، ۷- بے خبر، پاک دامن مومنہ عورتوں پر تہمت لگانا'' (بخاری: ۲۷۶۶- مسلم: ۸۹)

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ (جنکے والد سیدنا حنظلہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جنگ احد میں فرشتوں نے غسل دیا تھا) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سود کا ایک درہم، جسے انسان جانتے بوجھتے کھاتا ہے، تو وہ ۳۶ مرتبہ زناکاری سے بھی بدتر ہے'' (صحیح مسند احمد، طبرانی)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سود کے تہتر (۷۳) دروازے ہیں، ان کا سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ جیسے کوئی آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے، سب سے بدترین سود کسی مسلمان کی عزت سے کھلواڑ کرنا ہے'' (صحیح، حاکم، بیہقی)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، اور اسے کھلانے والے، اور اس (دستاویز) کے لکھنے والے، اور اسکی گواہی دینے والوں پر لعنت بھیجی ہے، اور فرمایا: کہ یہ تمام کے تمام گناہ میں برابر شریک ہیں (مسلم: ۱۵۹۸)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس گاؤں میں زنا اور سود رواج پا گیا، تو وہاں کے باشندوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کرلیا''۔ (صحیح، حاکم)

سود بڑھتا نہیں گھٹتا ہے:

''ربا'' سود کو بڑھتا اور پروان چڑھتا سمجھنا، سود کھانے والوں کی خام خیالی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد کریم ﷺ نے اس کے کم ہونے اور تباہ و برباد ہونے کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ترجمہ: ''اللہ سود کو گھٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے (سود خور) اور گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور عمل صالح کئے، اور نماز قائم کی، اور زکاۃ ادا کی، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ثابت ہے، اور ان پر نہ خوف طاری ہوگا، اور نہ انہیں کوئی غم لاحق ہوگا''۔ (البقرہ: ۲۷۶-۲۷۷)

''يمحق الله الرّبا'' کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''محق'' یہ ہے کہ اللہ سود خور بندے کا نہ حج قبول کرتا ہے، نہ صدقہ، نہ جہاد، اور نہ صلہ رحمی۔ (یعنی اسکی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی) (قرطبی: ۲/۲۳۴)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے بھی سود سے زیادہ (مال) حاصل کیا، اس کا انجام کمی پر ہی ہوگا''۔ (صحیح ابن ماجہ)

ایک روایت میں ہے: سود اگرچہ بظاہر زیادہ نظر آئے لیکن اسکا انجام کمی اور قلت ہے. (حاکم)

دنیادار انسان سود کو نفع بخش اور زکاۃ کو مال میں کمی کرنے والا سمجھتا ہے، جبکہ حقیقت بالکل برعکس ہے، ایسے خام خیال افراد کی ہدایت کیلئے، سود کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کا نظام پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مال کو بڑھانا ہو تو اسے رب کی بارگاہ میں زکاۃ اور صدقات کی شکل میں پیش کرو فرمان باری ہے: ترجمہ: ''اور تم لوگ جو سود دیتے ہو، تا کہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور تم لوگ جو زکاۃ دیتے ہو اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے، ایسے ہی لوگ اسے کئی گنا بڑھانے والے ہیں'۔ (الروم: ۳۹)

سود کھانے والوں کی حالت زار:

قیامت کے دن سود خور ایک خاص کیفیت سے دوچار ہونگے، جس سے لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ یہ دنیا میں سود کھاتے تھے۔ ارشاد باری ہے: ترجمہ: ''جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ اپنی قبروں سے ایسے اٹھیں گے، جس طرح وہ آدمی جسے شیطان اپنے اثر سے دیوانہ بنادیتا ہے، یہ (سزاانہیں) اسلئے ملی کہ وہ کہتے تھے کہ خرید وفروخت بھی تو سود ہی کے مانند ہے، حالانکہ اللہ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام قرار دیا ہے، پس جسکے پاس اسکے رب کی نصیحت پہنچ گئی، اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا، تو ماضی میں جو لے چکا ہے وہ اسکا ہے، اور اسکا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جو اسکے بعد لے گا، تو وہی لوگ جہنمی ہوں گے، اس میں ہمیشہ کیلئے رہیں گے'' (بقرہ: ۲۷۵)

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ان گناہوں سے بچو جو (بغیر توبہ کے) بخشے نہیں جاتے: (۱) خیانت: جس نے کسی چیز میں خیانت کی، اس چیز کے ساتھ قیامت کے دن حاضر کیا جائے گا۔ (۲) سود خوری: اس لئے کہ جو شخص سود کھائے گا قیامت کے دن پاگل کی طرح جھومتے ہوئے اٹھے گا، پھر آپ ﷺ نے آیت تلاوت فرمائی: ''الذين يا كلون الربوٰا لايقومون الّا كما يقوم الّذى يتخبطه ٰالشيطان من المسّ (سورة البقرة: (آیت: ۲۷۵) سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنادے (ترجمہ جوناگڈھی)

سود خوری ایک ایسا سنگین جرم ہے کہ عالم برزخ اور قبر میں بھی عذاب کا باعث ہوگا، اور آخرت میں بھی موجب سزا ہوگا۔ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رات میں میرے پاس دو فرشتے (حضرت

جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام) آئے، وہ مجھے اٹھا کر پاک سرزمین کی طرف لے گئے، آپ ﷺ نے کئی چیزیں ملاحظہ فرمائیں، جن میں ایک چیز یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ نے ایک خون کا دریا دیکھا، جس میں ایک آدمی (تیر رہا) ہے، اس نہر کے ایک کنارے ایک آدمی کھڑا ہے، اس کے پاس پتھروں کا ایک ڈھیر ہے، خون کے دریا میں جو آدمی ہے، وہ کوشش کرتا ہے کہ اس دریا سے باہر نکل جائے، جب وہ کنارے کے قریب آتا ہے، تو کنارے پر کھڑا شخص اس کے منہ میں زور سے پتھر دے مارتا ہے، پھر وہ شخص خون کے دریا کے وسط میں چلا جاتا ہے، پھر وہ کوشش کرتا ہے کہ باہر نکل جائے، لیکن کنارے پر کھڑا شخص اس کے منہ پر پھر زور سے ایک پتھر مارتا ہے۔ اس کے ساتھ مسلسل یہی سلوک ہو رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نے ان دونوں سے پوچھا: ''اس آدمی کو یہ سزا کیوں مل رہی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: یہ سود خور ہے، سودی کاروبار کیا کرتا تھا، اس لئے اس کو یہ سزا مل رہی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ''جو سزا آپ نے اس کو ملتے دیکھی، وہ اسے قیامت تک ملتی رہے گی۔ (بخاری)

سود کی بعض قسمیں:

سود ایک چیز کو دوسرے کے مقابلے میں زیادہ دے کر فروخت کرنا ہے، فقہاء نے اسکا قاعدہ کلیہ یہ بتایا ہے کہ یعنی وہ تمام اجناس، جن میں ''ناپ، وزن اور خوراک'' تینوں صفات میں سے کوئی دو صفتیں پائی جائیں، تو ان کا آپس میں لین دین یا خرید و فروخت کسی ایک کو زیادہ کر کے جائز نہیں، جن چیزوں میں یہ تینوں صفات معدوم ہوں، یا انکی جنس مختلف ہوں، تو پھر کسی کی زیادتی سود نہیں ہوگی، جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے اور کھجور کھجور کے بدلے، برابر بیچنا جائز ہے، لیکن ان میں سے کسی ایک کو گھٹا بڑھا کر بیچنا یا دینا سود ہے'' (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز جتنی دی جائے اتنی ہی واپس لینی چاہئے، جتنا سونا یا چاندی یا روپیہ دیا ہو، اتنا ہی واپس لینا چاہئے، اصل مال پر کچھ زائد رقم کا لینا، چاہے رقم کم ہو یا زیادہ، سود ہے۔

مہاجنی سود:

وہ یہ کہ لوگ اپنی ذاتی ضرورت کیلئے سرمایہ دار افراد سے قرضے لیتے، اور انہیں انکی دی ہوئی رقم ماہانہ مشروط سود کے ساتھ واپس کرتے ہیں۔

بینک کا سود:

کچھ لوگ بینکوں سے تجارت یا زراعت کیلئے قرضے حاصل کرتے ہیں اور مقررہ میعاد پر متعین شرح سود کے ساتھ واپس کرتے ہیں۔

فکس ڈپازٹ:

کچھ لوگ سودی بینکوں میں روپیہ کچھ مدت (مثلاً پانچ یا دس سال) کیلئے جمع (Deposit) کردیتے ہیں، جو انہیں 15% یا 12% فیصد سود دیتے ہیں، اس مخصوص مدت کے اختتام پر ان کی رقم دگنی یا تگنی ہوکر ملتی ہے، یہ سب سود ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی رقم ایسی بینک میں جمع (Deposit) کرتا ہے جو سودی نہیں، بلکہ اسلامی بینک ہیں، اور وہ اسے متعین فیصد سود کے بجائے نفع اور نقصان کی شراکت پر فائدہ یا نقصان دیتا ہے تو اس طرح کی بینکوں سے ملنے والی زائد رقم سود نہیں ہوگی۔

لائف انشورنس:

یہ ہے کہ کمپنی اپنے کسی معتمد ڈاکٹر سے کسی شخص کا طبی معائنہ کراتی ہے، اور وہ ڈاکٹر کمپنی کو اسکی صحت کے متعلق رپورٹ پیش کرتا ہے کہ اس شخص کی صحت سے امید ہے کہ وہ بیس سال تک زندہ رہے گا، اس پر کمپنی اس شخص سے دس یا پندرہ سال کیلئے معاہدہ کرتی ہے کہ مثلاً: وہ شخص دس سال تک ماہانہ قسطوں میں انشورنس کمپنی کو دس لاکھ روپیہ ادا کرے گا، دس سال پورے ہونے کے بعد کمپنی اسے پچیس لاکھ دے گی۔ اگر وہ شخص دوسال میں ہی فوت ہوجاتا ہے جو کمپنی کو لازمی طور پر اپنے اس خریدار (Client) کے ورثاء کو پچیس لاکھ روپے ادا کرنے ہوں گے۔ اگر خریدار (Client) نے کمپنی کو دوڈھائی سال تک قسطوں میں رقم ادا کیا، لیکن پھر کسی سبب سے اس نے قسطیں مکمل نہیں کیں، تو کمپنی اسے ایک پیسہ بھی ادا نہیں کرتی، بلکہ اسکی جمع کردہ ساری رقم بھی ڈوب جاتی ہے۔ لائف انشورنس میں بے شمار خامیاں اور خرابیاں ہیں، مندرجہ ذیل چند اہم اسباب کی وجہ سے اکثر علماء نے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے:

۱- یہ اللہ پر توکل کے خلاف ہے۔ ۲- اس میں بسا اوقات یا تو کمپنی کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے یا گاہک (Client) کو، اور اسلام میں خود نقصان اٹھانا یا دوسروں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔ ۳- بسا اوقات ورثاء کے دل میں مال کی حرص پیدا ہوجاتی ہے، کئی واقعات میں ورثاء نے ہی خریدار کا قتل کردیا اور کمپنی سے انشورنس کی رقم ہتھیالی۔

غیر منقولہ مرہون چیز سے استفادہ:

عام لوگوں میں جو سود کی قسمیں پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی آدمی کسی غریب کو کچھ رقم بطور قرض دیتا ہے، اور رہن میں اس کا گھر رکھ لیتا ہے، پھر اس میں یا تو خود رہتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھاتا ہے یا کسی کو کرایہ پر دے کر اس کا کرایہ خود کھاتا ہے، اس طرح کے کاروبار میں صرف عام لوگ ہی نہیں پڑھے لکھے اور دینی مزاج رکھنے والے لوگ تک بھی ملوث پائے جاتے ہیں۔

کمیٹی وغیرہ کا سود:

عام لوگوں میں رائج سود کی قسموں میں سے یہ ایک قسم ہے کہ دس آدمی مل کر ہر ماہ دس دس ہزار جمع کرتے ہیں، اور پھر

اس ایک لاکھ روپئے کی بولی لگتی ہے،کوئی کہتا ہے: میں اسے نوّے ہزار میں لوں گا۔دوسرا کہتا ہے،اسیّ ہزار میں لوں گا،تیسرا کہتا ہے ستر ہزار میں لوں گا غرضیکہ جو سب سے زیادہ کم بولی لگاتا ہے،اسے اتنی رقم دے دی جاتی ہے،باقی ماندہ تیس یا چالس ہزار روپئے تمام لوگ آپس میں بانٹ لیتے ہیں،اور جس نے بولی کی رقم لی ہے اسے ایک لاکھ روپئے ہی بھرنے پڑتے ہیں۔یہ بھی سراسر سود ہے،اسے کہیں ''کمیٹی''اور کہیں ''چیٹی''وغیرہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ان کے علاوہ کئی ایسے راستے اور طریقے ہیں جوکہ سود تک لے جاتے ہیں۔

بینکوں سے لین دین:

آج ہرانسان کوزندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر بینکوں سے واسطہ پڑہی جاتا ہے بالخصوص وہ لوگ جوکسب معاش کیلئے بیرون ملک رہتے ہیں،انہیں اپنی رقوم بھیجنے کیلئے بینکوں سے تعلق لازمی وضروری ہے،اسلئے کہ بینکوں کے سوا دوسرے جوبھی ذرائع ہیں ہمارے ملکی قانون کی نگاہ میں جرم ہیں،علاوہ ازیں ان ذرائع سے بھیجی ہوئی رقم کے گھر پہنچنے تک انسان پریشانی کا شکار رہتا ہے ،نیز اگر یہ طریقہ اطمینان بخش بھی ہولیکن اس سرمایہ سے انسان کوئی جائیداد،گھر یا پراپرٹی خریدتا ہے توانکم ٹیکس کا محکمہ اسے اپنا شکار بنالیتا ہے کہ اسکے پاس اس جائیداد کوخریدنے کیلئے روپیہ کہاں سے آیا؟اسطرح آدمی قانون اورانکم ٹیکس محکمہ کے چنگل میں اس بری طرح پھنس جاتا ہے کہ الأمان والحفیظ ایسے حالات میں علماء نے مسلمانوں کواس بات کی اجازت عطافرمائی کہ وہ بوقت ضرورت سودی بینکوں کے ذریعہ اپنی رقوم منتقل کرسکتے ہیں۔شیخ الإسلام علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''اس میں کوئی شک نہیں کہ عصر حاضر میں انہی بینکوں کے ذریعے رقوم منتقل کرنا عام ضروریات میں سے ہے،اسی طرح سود کی شرط کے بغیر محض حفاظت کیلئے رقوم رکھنے میں کوئی حرج نہیں''(فتاویٰ اسلامیہ:۵۲۵/۲)اگراس طرح کوئی شخص بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ(Current Accaunt)کا کھاتا کھولتا ہے،جس پراسے سود نہ ملتا ہوتواس میں کوئی حرج نہیں۔

اضطراری کیفیت کاحکم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاارشاد ہے:''لوگوں پرایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب ہرکوئی سود کھانے والا ہوگا،اگرسود نہ کھائے تواس کا غبار اسے ضرور پہنچ کررہے گا''۔(نسائی،کتاب البیوع)اورآج کا دور بالکل ایسا ہی دور ہے،پوری دنیا اور اسی طرح مسلمانوں کے رگ وریشے میں بھی سود کچھ اس طرح سرایت کرگیا ہے کہ جس سے ہرشخص شعوری یا غیر شعوری طور پر متأثر ہورہا ہے،ایک مسلمان اگر پوری نیک نیتی سے سود سے کلیۃ بچنا بھی چاہے تو اسے کئی مقامات پر الجھنیں پیش آتی ہیں،مثلا:آج کل اگر کوئی شخص گاڑی،سکوٹر،کار،بس،یاٹرک خریدنا چاہے تو اسے لازماً اس کی انشورنس کرانا پڑے گا۔اسی طرح جوتاجر پیشہ افراد بینک سے تعلق نہ رکھیں اور بینک سے ایل سی(Letter Of Credit)یا اعتمادنامہ حاصل نہ کرے تو وہ نہ مال درآمد کرسکتے ہیں اور نہ برآمد۔ایسے حالات کے متعلق عرض ہے کہ اس قسم کے سود کوختم کرنا،یا اسکی متبادل راہ تلاش کرنا اسلامی حکومتوں کا کام ہے،اگرحکومت یہ کام نہیں کرتی توہرمسلمان انفرادی طور پر جہاں تک سود سے بچ سکتا ہے بچے،اور

جہاں وہ مجبور ہے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا، اسلئے کہ شریعت کا اصول ہے کہ مواخذہ اس حد تک ہے جہاں انسان کا اختیار ہے، جہاں اضطرار ہے وہاں مواخذہ نہیں ہوگا۔

شیئر مارکیٹ کا حکم:

آج کا دور شیئر مارکیٹنگ کا دور ہے، وہ اس طرح کہ نامور کمپنیاں لوگوں میں اپنی کمپنیوں کے حصے (شیئرز) کو فروخت کرتی ہیں، جو شخص کسی کمپنی کا شیئر خریدتا ہے وہ اس کمپنی کا شیئر ہولڈر بن جاتا ہے سال میں کمپنی اپنے نفع یا نقصان کے حساب سے اسے اپنے شیئر ہولڈرز میں نفع یا نقصان تقسیم کرتی ہے، جب کمپنی فائدے میں ہوتو اسکے شیئر کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، جب کمپنی گھاٹے میں ہوتو اسکے شیئر کی قیمت گر جاتی ہے، اور اسکے شیئر ہولڈرز کو بسا اوقات بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

شیئر مارکیٹ میں سرمایہ لگانے کے متعلق علماء مختلف الخیال ہیں، کچھ اسے اس لئے جائز قرار دیتے ہیں کہ اس میں نفع یقینی نہیں ہے بلکہ نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہے، اس لئے جائز ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ دور حاضر میں شیئر مارکیٹ سٹّہ کا ایک عظیم کاروبار بن چکا ہے، اس میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ درمیان کے دلال، لوگوں کا سرمایہ لیکر رفو چکر ہوجاتے ہیں، اور بیچارے عوام کے خون پسینے کی گاڑھی کمائی منٹوں میں برباد ہوجاتی ہے، اور شیئر مارکیٹ میں اس طرح کی ڈوبی ہوئی رقم کی باز یابی کا کوئی سسٹم موجود نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اکثر کمپنیاں کیا کاروبار کرتی ہیں، اس کی بھی شیئرز ہولڈرز کو کوئی خبر نہیں ہوتی، کئی کمپنیاں حرام اشیاء کی تجارت کا بھی کاروبار کرتی ہیں، اور اس سے حاصل ہونے والے فائدے کو اپنے حصہ داروں میں تقسیم کرتی ہیں۔ تیسرا سبب یہ کہ کئی کمپنیاں اپنے شیئرز ہولڈرز کو کمپنی کے نفع نقصان کے متعلق دھوکے میں رکھتی ہیں، مثلاً کمپنی اگر گھاٹے میں چل رہی ہوتو وہ اس طرح کی معلومات فراہم کرتی ہیں کہ کمپنی چل نہیں بلکہ دوڑ رہی ہے، جس وقت کمپنی کا جنازہ اٹھ رہا ہوتا ہے اس وقت اس کے حصے داروں کو پتہ چلتا ہے کہ ہماری زندگی کی کمائی شیئر قزاقوں کے نذر ہوگئی، ان میں سے بعض صدمے سے ہسپتال پہنچ جاتے ہیں اور بعض قبرستان۔ ان تمام اندیشوں کے باوجود کچھ علماء نے مندرجہ ذیل شروط کے ساتھ کمپنیوں کے شیئر خریدنے کی اجازت دی ہے کہ: (۱) کمپنی حلال اشیاء کا کاروبار کرتی ہو۔ (۲) سود سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ (۳) سودی بینکوں کے شیئرز کی خریداری سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اگر ان چیزوں کا خیال رکھا جائے تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنے میں حرج نہیں ہے۔

قسطوں میں خرید وفروخت:

دور حاضر میں ضروریات زندگی کی اشیاء قسطوں میں خریدنے کا رجحان عام ہے، جو شخص نقد رقم ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، وہ چیزیں قسطوں میں خریدتا ہے، کمپنی کو ہر ماہ متعین رقم ادا کرتا ہے، گرچہ نقد اور قسط میں قیمت کا فرق رہتا ہے، لیکن اس طرح غریب ونادار شخص کے لئے بھی ان اشیاء کی خریداری آسان ہوجاتی ہے قسطوں میں خرید وفروخت کے متعلق سعودیہ مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا، سوال اور اس کا جواب، دونوں پیش خدمت ہیں:

سوال: قسطوں کی بنیاد پر جو گاڑیاں بیچی جاتی ہیں، ان کی قیمت میں اضافہ کردیا جاتا ہے، یعنی اگر نقد لینے کی صورت میں گاڑی کی قیمت پندرہ ہزار ریال ہے، تو قسط وار لینے کی صورت میں اس سے زیادہ قیمت لی جاتی ہے، کیا اس طرح کی بیع سود میں داخل ہے؟

جواب: اگر مدت کی تعیین کردی گئی ہے، اور قسطوں کی تعداد بھی معلوم ہے، تو قسطوں کی خرید وفروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، گرچہ نقد کے مقابل میں قسطوں پر لینے میں سامان کی قیمت زیادہ ہی کیوں نہ ہو. اسلئے کہ بیچنے والا اور خریدنے والا، دونوں ہی کا اس میں فائدہ ہے، بیچنے والے کو قیمت زیادہ مل جاتی ہے اور خریدار کو مہلت مل جاتی ہے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا سے یہ ثابت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنھا کو انکے گھر والوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا سے نو سال کی مدت میں قسط وار قیمت ادا کرنے کی شرط پر بیچا تھا، ہر سال چالیس درہم ادا کرنا تھا اس سے معلوم ہوا کہ قسطوں میں خرید وفروخت جائز ہے، نیز اس بیع میں دھوکہ، لاعلمی اور سود نہیں ہے، اسلئے دوسرے شرعی خرید وفروخت کی طرح یہ بھی جائز ہوگا، بشرطیکہ سامان بیچنے والے کی ملکیت میں ہو اور بیچتے وقت وہ اسکا مالک ہو. (فتاویٰ شیخ ابن باز: ۲۳۰)

سود کی تباہ کاریاں:

۱-سود خور، اللہ کی رحمت سے دور، اور وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت جنگ میں رہتا ہے۔۲-اللہ نے کسی بھی کبیرہ گناہ کے مرتکب کو وہ دھمکی نہیں دی اور اس عذاب کا وعدہ نہیں کیا جو سود خور کیلئے کیا ہے۔۳-سود ایک اجتماعی جرم ہے، وہ جس معاشرے میں رواج پاجائے گا اسے تباہ وبرباد کردے گا اور اس کی (اقتصادی) بنیادوں کو منہدم کردے گا، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جن غریب ممالک نے عالمی بینکوں سے قرض لیا ہے وہ سود در سود ادا کرتے کرتے تباہ ہوگئے، لیکن قرض بدستور برقرار ہے۔۴-سود کھانے والے شخص کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''حرام کا ایک لقمہ کھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی چالیس دن کی عبادت قبول نہیں فرماتا'' (ترمذی) نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''اگر کوئی شخص ایسا لباس پہنے جس میں نو درہم تو حلال کے ہیں اور ایک درہم حرام کا ہے، تو یہ لباس جب تک اسکے جسم پر رہے گا اللہ اسکی کسی عبادت کو قبول نہیں فرماتا'' (ابن ماجہ) ۵-اللہ تعالیٰ کبھی کبھی کافر اور مشرک کی دعا بھی قبول کرلیتا ہے، لیکن اس کی بارگاہ میں سود خور کی دعا تک قبول نہیں ہوتی، چاہے وہ حج جیسے مقدس سفر پر بھی کیوں نہ ہو، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاکیزہ کو ہی قبول کرتا ہے، اس نے اس معاملے میں مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو کہ اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے، پھر آپ نے ایسے شخص کا تذکرہ فرمایا جو لمبا سفر (حج) کرتا ہے، بکھرے بال اور غبار آلود جسم کے ساتھ (میدان عرفات میں کھڑے ہوکر) اپنے دونوں ہاتھوں کو دعا کے لئے بلند کرکے کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے پالن ہار! لیکن اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی جب کہ اسکا کھانا، پینا، لباس اور غذا حرام کا ہے؟ (مسلم) ۶-سود کھانے والا، کھلانے والا، اسے لکھنے والا، اس کی گواہی دینے والا، اور ہر وہ شخص

جو اس بدترین جرم کو پھیلانے میں مدد گار ہے ،سب اللہ کے ہاں گناہ گاراور اس کی رحمت سے دھتکارے ہوئے ہیں ۔۷-رسول اللہ ﷺ نے زنا اورسود کوئی احادیث میں ملا کر بیان کیا ہے ،اس لئے کہ یہ معاشرتی جرائم ہیں،اوران دونوں کے معاشرہ پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔۸-سوددلوں میں کینہ،خودغرضی ،مفاد پرستی ،بخل اور سنگ دلی پیدا کرتا ہے، دلوں سے محبت اور رحمت کوختم کردیتا ہے، بھائی چارگی کا جنازہ اٹھ جاتا ہے ، سودی نظام نے صرف ایک ہی شائی لاک(Shai Lak)(ایک یہودی کا تمثیلی کردار جس نے بروقت ادائیگی نہ ہونے کی بنا پر اپنے مقروض کی ران سے بے دریغ گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا تھا) پیدا نہیں کیا ، بلکہ ہر دور میں ہزاروں شائی لاک پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے ۔امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ''ڈاکو بہتر ہے یا سودخور''؟ آپ نے جواب میں فرمایا: سودخور سے ڈاکو کئی درجہ بہتر ہے،اس لئے کہ اس کے دل کے اندر رحم وکرم کے جذبات ہوتے ہیں، کیونکہ تاریخ میں کئی ایسے ڈاکو ملتے ہیں جو مالداروں کولوٹتے اورغریبوں پرخرچ کرتے تھے ،لیکن ایک سودخور کا دل رحم سے خالی اوراس کی آنکھیں زندگی سے عاری ہوتی ہیں ،کوئی مربھی جائے تو وہ اسکے کفن سے بھی اگرسود وصول کرسکتا ہوتو کرلے گا''۔(تبرکات آزاد)۹-اور معاشرہ کی بنیادوں میں دراڑ،اورامیر اورغریب میں طبقاتی کشمکش پیدا ہوجاتی ہے ،بعض دفعہ غریب طبقہ تنگ آکر امیروں کولوٹنا اور مارنا شروع کردیتا ہے جس سے جنگ وجدل اور فتنہ وفساد کا ایک باب کھل جاتا ہے،اہل دنیا جانتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے اہم اسباب وعوامل میں سے ایک سبب جرمن معاشرے کے اقتصادی نظام پر یہودی ساہوکاروں کی سنگدلانہ گرفت تھی ،جس سے تنگ آکر جرمن معاشرے نے یہودیوں کے خلاف اعلان بغاوت کردیا ،جس سے اڈالف ہٹلر(Adolf Hitler) جیسے نازی پیدا ہوئے ،جسنے یہودیوں کا قتل عام کیا۔۱۰- یہ سودخور کے دل کی خباثت اوراسکی بدنیتی کی دلیل ہے۔۱۱-سودخور کا یہ عمل اسکے برے انجام اورخاتمے کا غماز ہے۔

رزق حلال کی برکات:

سود کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے تجارت کی اہمیت کوواضح فرمایا ہے اوراس کوایک مسلمان کے لئے حلال وطیب قرار دیا،حلال کمائی کی برکت سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(۱)اکل حلال اللہ تعالیٰ کی محبت اوراسکی جنت تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ ہے۔(۲) یہ دعاؤں کی قبولیت کا سبب ہے۔(۳)اس سے عمر میں برکت اور مال میں زیادتی ہوتی ہے۔(۴) دنیا کی سعادت اورآخرت میں جنت کا موجب ہے۔(۵) باتوں میں شیرینی اوراعمال میں جاذبیت پیدا کرتا ہے۔(۶) حلال کمائی سے نسل میں برکت ہوتی ہے۔(۷) اپنی محنت کی کمائی انسانی شرافت اوررفعت کا باعث ہے۔اللہ سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کوسود کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھے، آمین۔

☆☆☆

محاکمۂ سامرودیہ پر ایک سرسری نظر

من جانب شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی

قارئین ''مصباح'' کو یاد ہوگا کہ ترمذی ''باب ماجاء فی الصلوۃ خلف الصف وحدہ'' میں حضرت وابصہ بن معبد کی حدیث کی سند میں اختلاف اور اس پر امام ترمذی کے کلام کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں، راقم الحروف کا مفصل مضمون ''مصباح'' جلد:۱ شمارہ نمبر:۴ میں شائع ہوا تھا۔ اس جواب پر مولانا کھنڈیلوی نے تعاقب لکھا جو پہلے ''الھدیٰ'' دربھنگہ میں، پھر ''مصباح'' جلد:۱ شمارہ نمبر ۸/۹ میں شائع ہوا، پھر اس تعاقب کا جواب ''مصباح'' ج:۱ ش: ۱۰/۱۱ میں شائع کیا گیا اس کے بعد مولانا سامرودی نے بغیر کسی کی تحریک وفرمائش کے، اس سلسلے میں مضمون لکھنے کی زحمت گوارہ فرمائی۔ اس مضمون کو مدیر ''مصباح'' نے ''محاکمۂ سامرودیۃ'' کے عنوان سے ''مصباح جلد:۲ ش:۳ میں شائع کیا۔ آج اسی ''محاکمہ'' پر ہم مختصراً کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ ''مصباح'' کے اہل علم قارئین میں سے جن بزرگوں کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہے، امید ہے کہ وہ اس کو بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس مضمون کی تحریر میں دیر صرف اس وجہ سے ہوئی کہ ہم کو حافظ جمال الدین المزی کی ''تحفۃ الأشراف بمعرفۃ الأطراف'' اور اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی کی ''النکت الظراف'' کے مطالعہ کی توفیق اخیر شعبان ۱۳۷۲ھ سے پہلے میسر نہیں ہوسکی۔ کاش! حافظ کی ''اتحاف المھرۃ بأطراف العشرۃ'' کے مطالعہ کی سعادت بھی حاصل ہوگئی ہوتی۔

(۱) مولانا سامرودی نے جامع ترمذی کے اس مقام کے حل کے بارے میں ہمارے اور مولانا کھنڈیلوی کے درمیان پیدا شدہ اختلاف کو ''الفاظی اور سطحی'' قرار دیا ہے جس کا یہ مطلب ہوا کہ ہمارا یہ اختلاف معنوی اور حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف بادی النظر میں اختلاف ہے۔ ہمیں تعجب ہے کہ مولانا نے یہ الفاظ کیسے تحریر فرمائے، درانحالیکہ اس فقیر کی تائید میں خود ہی یہ بھی لکھا ہے کہ لفظ ''روی'' بالبناء للمفعول ہی اس محل میں صحیح ہے اور اس کو بالبناء للفاعل بنانا امام ترمذی کے مفہوم کو مختل کرنا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ہمارے اور مولانا کھنڈیلوی کے درمیان یہ اختلاف معنوی اور حقیقی ہوا نہ کہ ''الفاظی وسطحی'' شاید مولانا لفظی ومعنوی اور سطحی وحقیقی اختلاف کے متعارف معنی اور ان کے درمیان فرق سے ناواقف ہیں یا واقف تو ہیں لیکن یہ سب کچھ بے خیالی میں لکھ گئے ہیں۔

(۲) مولانا سامرودی فرماتے ہیں: ''اس اختلاف سے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ قلبی سطح پر اثر ہے......مگر ترچھی نظر کسی کی طرف کرنا تحقیقات علمیہ کی بنا پر بری بات ہے۔''

تعاقب کے جواب میں قدرے تلخی اور شدت پیدا ہوگئی تھی، غالبًا مولانا سامرودی نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ایسے مسئلہ میں جو زیادہ غور فکر کا محتاج نہ ہو بلکہ تقریباً بدیہی ہو، غلط روی اختیار کرنے والے کو اس کی غلطی پر تنبیہ کرنے میں شدت وخشونت اختیار کرنا ہمارے نزدیک شرعاً معیوب اور بری بات نہیں ہے۔ اسلامی شریعت میں اس کے نظائر موجود ہیں۔

مولانا سامرودی جیسے محدث کبیر سے یہ بات مخفی نہ رہنی چاہیے تھی۔ ہمیں افسوس ہے کہ مولانا نے اس ظاہری تلخی کو اچھے پہلو پر محمول نہیں فرمایا۔ بہرحال مولانا کی یہ رائے خلاف واقعہ ہے۔ ہمارے خیال میں وہ بغیر اس فراست غیر صادقہ کے اظہار کے بھی ''محاکمہ'' کا شوق پورا فرما سکتے تھے۔ والعلم عنداللہ.

(۳) مولانا سامرودی نے امام ترمذی کے کلام ''لأنه قد روى من غير حديث هلال'' الخ میں لفظ ''روی'' کے فعل مجہول ہی ہونے کو صحیح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ''روی'' کو فعل معروف بنانا مفہوم کو مختل کرنا ہے۔''

ہمارے نزدیک یہ چیز زیادہ غور وفکر اور بحث ونظر کی محتاج نہیں ہے، بہرکیف اللہ تعالی کا شکر ہے کہ مولانا نے وہی سمجھا جو اس مقام کے سیاق وسباق پر اور اس حدیث کے طرق پر اور ایسے مواقع میں امام ترمذی کے طرز کلام پر گہری نظر رکھنے کا مقتضیٰ ہے۔

اس محاکمہ میں اہل علم کو چاہے کوئی نئی دلیل اور نئی بات نہ ملے، مگر اس کا اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ مولانا کھنڈیلوی کو اب ''روی'' کے فعل معروف ہونے پر اصرار نہ رہا۔ چنانچہ اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''و أنا الآن أسلم أن لفظ روى يمكن أن يكون مجهولا كما قلتم لكن هذا الأمر مرجوح عندي، والراجح عندي ماقلت''

(۴) ہم نے استفتاء کے جواب کے آخر میں تنبیہ کے زیر عنوان لکھا تھا کہ نسخ مطبوعہ میں یہ عبارت: ''حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا عن عمر وبن مرة عن زياد بن ابى الجعد عن وابصه قال'' بے اصل ہے، نساخ کی غلطی سے اس کا اضافہ ہوگیا ہے۔ اس بناء پر ہمارا دعویٰ تھا کہ عمرو بن مرہ نے اس حدیث کو صرف ایک طریق (وہی طریق ہلال بن یساف عن عمرو بن راشد عن زیاد عن وابصۃ) سے روایت کیا ہے۔ اور جامع ترمذی میں ان کی روایت کے دو طریق نہیں ہیں جیسا کہ مولوی انور شاہ مرحوم صاحب العرف الشذی نے سمجھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وابصہ بن معبد کی حدیث جامع ترمذی میں دو طریق سے مروی ہے۔ عبارت مذکورہ کی بے اصل ہونے کا قرینہ ہم نے یہ لکھا تھا کہ ترمذی کے تین صحیح نسخے جن میں سے دو قلمی ہیں اس زیادۃ سے خالی ہیں۔ مولانا کھنڈیلوی کے تعاقب سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ اس زیادۃ کو صحیح سمجھتے ہیں اور درحقیقت ان کی ساری تقریر اور غلط فہمی کی بنیاد یہی زیادۃ ہے، مولوی انور شاہ مرحوم نے بھی اس مقام کی تقریر اسی عبارت کی روشنی میں کی ہے اور بلا شبہ مولانا کھنڈیلوی نے انہیں کی تقلید کی ہے گو آخر میں قصداً یا بلاقصد بسبب عدم فہم کے ان کے خلاف کر گئے۔ واللہ اعلم۔

ہم نے تعاقب کے جواب میں اس عبارت کے غلط ہونے کا دوسرا قرینہ یہ ذکر کیا تھا کہ: اصحاب کتب رجال نے عمرو بن مرۃ کو زیاد بن ابی الجعد کے تلامذہ میں اور زیاد کو عمرو بن مرۃ کے شیوخ میں ذکر نہیں کیا ہے اگر کسی کو اس پر اصرار ہے کہ عمرو بن مرۃ نے یہ حدیث زیاد سے روایت کی ہے اور وہ ان کے تلمیذ ہیں تو اس پر دلیل پیش کرے۔ مولانا سامرودی بھی اس عبارت کو صحیح سمجھتے ہیں کہ ترمذی نے حدیث عمرو بن مرۃ کو دو طریق سے بیان کیا ہے پھر ہمارے بیان کردہ قرینہ کی یوں تردید کرتے ہیں:

''عمرو بن مرۃ کے زیاد سے روایت کرنے میں تردد کیا جاتا ہے کہ عمرو کا زیاد کے تلامذہ کی فہرست میں ذکر نہیں، لیکن عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔ عمرو بن مرۃ کے صغار تابعین سے ہونے اور ان کے سالم بن ابی الجعد سے روایت کرنے میں شبہ نہیں۔ زیاد سالم کے بھائی ہیں اس لئے عمرو بن مرہ کا زیاد سے روایت کرنا مستبعد نہیں ہے''۔

مولانا سامرودی سے شاید یہ امر مخفی ہے کہ عدم ذکر الشئی لایستلزم عدمه قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ وہاں عدم ذکر شئی اس شئی کے عدم کی دلیل وقرینہ ہوتا ہے۔ مثلاً: ذکر ونقل کے دواعی ومقتضیات موجو ہوتے ہوئے ذکر نہ کرنا اور نقل سے سکوت اختیار کرنا دلیل ہے اس شے کے عدم وجود کی۔ وھذا لا یخفی علی من له نظر فی کتب الاصول۔ تمام اصحاب کتب رجال حدیث کا زیاد بن ابی الجعد کے دو ہی تلمیذ عبید اور ہلال بن یساف کے ذکر کرنے پر اقتصار کرنا اور ''وغیرھما'' یا ''آخرون'' یا ''جماعة'' آخر میں نہ لکھنا صریح اور قوی قرینہ ہے اس امر کا زیاد سے کوئی تیسرا شخص روایت نہیں کرتا، عمرو بن مرۃ کو زیاد کا تلمیذ قرار دینے کی بنیاد اس دنیا میں صرف ترمذی کی یہ عبارت مجوث عنھا ہے اور بس۔ مولانا سامرودی نے اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں پیش کی، صرف یہ لکھا کہ عمرو بن مرۃ تابعی صغیر ہیں اور زیاد کے بھائی سالم سے روایت کرتے ہیں اس لیے ان کا زیاد سے روایت کرنا مستبعد نہیں ہے۔

عرض یہ ہے کہ یہاں صرف امکان واحتمال اور عدم استبعاد کا دعویٰ کافی نہیں ہوسکتا۔ نقل صریح اور کتب رجال سے اس کی تصدیق کی ضرورت ہے، صرف یہ کہہ دینا مخالف کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتا کہ چوں کہ عمرو ایک بھائی سے روایت کرتے ہیں اس لیے بعید نہیں کہ دوسرے بھائی سے بھی روایت کرتے ہوں، ورنہ جہاں دو بھائی راوی حدیث ہوں وہاں تلمذ کے ادعا کے لیے یہ کہنا صحیح ہونا چاہیے کہ چوں کہ فلاں شخص فلاں کا تلمیذ ہے اس لیے بعید نہیں کہ وہ اس کے بھائی کا بھی تلمیذ ہو۔ لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے کسی محدث نے اس طرح تلمذ اور تحمل حدیث وأخذ روایت کا اثبات نہیں کیا ہے۔ عبداللہ العمری اور ان کے بھائی عبیداللہ دونوں رواۃ حدیث میں سے ہیں۔ مولانا بتلائیں کہ ان دونوں کے درمیان کتنے تلامذہ میں اشتراک ہے؟

مولانا کھنڈیلوی اپنے مکتوب میں ہمارے پیش کردہ پہلے قرینے پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس عبارت کے تین قلمی نسخوں میں نہ ہونے سے یہ سمجھنا کہ یہ عبارت غلط ہے صحیح نہیں۔ لأن عدم الذکر لایستلزم عدم ذکرہ(؟) ونیز

ترمذی کے نسخے متعدد ہیں اگر کسی نسخے میں زیادتی اس سند کی نہیں ہوئی تو یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ زیادۃ خطا ہے۔والمثبت مقدم علی النافی.

عرض یہ کہ نسخوں کے اختلاف کے موقع پر ہر زیادۃ کے متعلق ہم نے یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بیان کیا ہے کہ جو عبارت ان تین نسخوں میں نہ ہوگی وہ خطا اور بے اصل ہوگی ولا یدعی ذلك إلا مجنون ،زیادات مختلف قسم کی ہوتی ہیں اس لیے ان کے احکام بھی مختلف ہوتے ہیں۔ یہاں ایک خاص زیادۃ کے بارے میں بحث ہورہی ہے،یعنی ایسی زیادۃ کے متعلق جس کے بے اصل ہونے پر کئی قرینے موجود ہیں،اس لئے ہمارے نزدیک اس کا غلط ہونا متعین ہے والمثبت إنمایقدم علی النافی،إذا کان فی قوۃالنافی وفی مرتبته أوأقویٰ منه،لاإذا کان دونه،والنسخ المطبوعة من طبعات الهند ومصر،لاتساوی النسخ الخطیة المصححة التی ذکرها الشیخ أحمدمحمد شاکر فی تعلیقه علی الترمذی،وکذا یقدم المثبت،إذا لم تقم قرینة تقتضی تقدیم النافی وترجیحه، وهاهنا قد وجدت قرائن تقتضی کون الزیادة المذکورة خطأ،فتقدم هاهنا النسخ الثلاثة المصححة علی النسخ المطبوعة.

آج ہم اس عبارت کے خطا ہونے پر اور عمرو بن مرۃ کے زیاد سے حدیث نہ روایت کرنے پر تیسری دلیل پیش کررہے ہیں۔امید ہے دونوں مولانا غور فرمائیں گے۔

تتبع کے بعد کتب حدیث کی سولہ قسمیں نکلتی ہیں ان میں سے ایک قسم ''اطراف'' بھی ہے اس کا معنی اور مفہوم اہل علم سے مخفی نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ ''اطراف'' میں ہر ہر حدیث کے اس قدر ٹکڑے کو ذکر کرتے ہیں جو اس کے باقی حصے پر دلالت کرے اور ان کی تمام سندوں کو استیعاباً یا مخصوص کتابوں کے ساتھ مقید ومخصوص کرکے جمع کردیتے ہیں۔ہمارے سامنے اس وقت حافظ جمال الدین المزی کی ''اطراف'' ہے،انہوں نے مسند وابصۃ میں حضرت وابصۃ کی اس حدیث کے ترمذی سے دو ہی طریق نقل کیے ہیں:

(۱)محمد بن بشار عن غندر عن شعبة عن عمروبن مرة عن هلال بن یساف عن عمروبن راشد عن وابصة.

(۲)هناد عن أبی الأحوص حصین عن هلال بن یساف عن زیاد عن وابصة.

معلوم ہوا کہ مزی کے سامنے جامع ترمذی کا جو معتمد نسخہ تھا اس میں اس حدیث کی صرف دو ہی سندیں مذکور تھیں۔ تیسری کوئی سند مذکور نہیں،یعنی:عبارت مبحوثہ عنہا جس سے ایک تیسری سند''عمروبن مرة عن زیاد عن وابصة'' کا ثبوت ہوتا ہے موجود نہیں تھی۔اگر جامع ترمذی میں یہ حدیث اس تیسری سند سے مروی ہوتی تو حافظ مزی اس کو ضرور نقل کرتے ،اور اگر بالفرض مزی سے یہاں تسامح ہوگیا ہے تو حافظ ابن حجر اپنی ''نکت'' میں اس پر ضرور تنبیہ فرماتے،لیکن حافظ نے اس

مقام کو''نکت''میں چھوا تک نہیں۔معلوم ہوا کہ حافظ کے نزدیک بھی ترمذی میں یہ حدیث کل دو ہی سندوں سے مروی ہے ۔اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ عمرو بن مرۃ کا زیاد بن ابی الجعد سے حدیث روایت کرنا ثابت نہیں اور جو شخص اس کا دعویٰ کرتا ہے بے بنیاد دعوی کرتا ہے۔حافظ مزی کی''اطراف'' کی اصل عبارت درج ذیل ہے:

''دت ق''

حديث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى رجلا ،يصلى خلف الصف وحده،فامرأن يعيد،(فى الصلوة عن سليمان بن حرب وحفص بن عمر كلاهما عن شعبة عن عمروبن مرة عن هلال بن يساف عن عمربن راشد عن وابصة به ،ت:فيه عن محمد بن بشار عن غندر عن شعبة به،وعن هناد عن أبى الأحوص عن حصين عن هلال بن يساف ،قال:أخذ زياد بن أبى الجعد بيدى ونحن بالرقة،فقام بى على شيخ يقال له وابصة،فقال زياد :حدثنى هذا الشيخ والشيخ يسمع،أن رجلا صلى فذكرمعناه،وقال حسن،وقدروى غيرواحد حديث حصين عن هلال ،مثل رواية ابى الاحوص عن زياد،واختلف أهل العلم فى هذا،فقال بعضهم :حديث عمروبن مرة أصح،وقال بعضهم :حديث حصين أصح،وهو عندى أصح من حديث عمرو،(۱)قدروى من غيروجه حديث هلال عن زياد عن وابصة،ق:فيه عن ابى بكربن ابى شيبة عن عبد الله بن ادريس عن حصين عن هلال بن يساف ،وقال:أخذ بيدى زياد فذكره، وليس فيه أخبرنى هذا الشيخ كان هلالا رواه عن وابصة نفسه(تحفة الاشراف بمعرفة ألاطراف للمزى)

(کتب خانہ خدابخش خان بانکی پور، پٹنہ)

اس عبارت میں''قد روى من غير وجه حديث هلال عن زياد"الخ ہےاور زیلعی میں "روى من غير وجه عن هلال عن وابصة''الخ ہےاور ترمذی کے موجودہ نسخوں میں''قد روى من غير حديث هلال عن زياد''الخ ہے ولا تخالف بينها وهذا لايخفى على من رزقه الله فهما صحيحا۔

(مصباح لبستی ج:۲،ش:۱۲ ذی القعدۃ ۱۳۷۲ھ)

(۱)ههنابياض والظاهر انه سقط ههنا لفظ:لأنه

☆☆☆

کیاانسان خودمختار ہے یاپابند؟

تحریر:الشیخ عبداللہ بن زید المحمود ترجمہ:مولانا مختاراحمدندوی رحمہ اللہ

ایمان کے ارکان ستہ میں ''ایمان بالقدر خیرہ وشرہ'' بھی ہے،تقدیر سے کیا مراد ہے،کیااس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں تقدیر کے ہاتھوں مجبورمحض ہے،اسے عمل کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے؟اس مضمون میں فاضل صاحب قلم نے دلائل کی روشنی میں اس مسئلہ کو بخوبی واضح کردیا ہے۔مضمون نگاراور مترجم کے شکریہ کے ساتھ اس مضمون کو شامل اشاعت کیا جارہاہے۔(ادارہ)

انسان خودمختار ہے،اپنے اچھے یا برے عمل کے لیے وہ خود اپنے اختیار کا مالک ہے،کوئی بھی مقصدی کام ہو وہ کسی بااختیار کرنے والے ہی سے ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إنّا هديناه السبيل إمّا شاكراً وإمّا كفوراً﴾ (الدھر:۳) ہم نے اس کو راہ دکھلادی کہ یا تو شکر گذار ہو یا ناشکرا۔

﴿قد جاء كم بصائر من ربّكم فمن أبصر فلنفسه ومن عمي فعليها﴾ (الانعام:۱۰۴) تمہارے رب کی طرف سے روشنی کے ذرائع آچکے ہیں جو دیکھے گا وہ اپنے لیے دیکھے گا جو اندھا رہے گا اس پر ہی وبال آئے گا۔

اور قیامت کے دن اعمال نامے تقسیم کرتے وقت اللہ کا ارشاد ہوگا:

''ياعبادي إنما هي أعمالكم أحصيها لكم، ثم أوفيكم إياها فمن وجد خيراً فليحمد الله، ومن وجد غير ذلك فلا يلومن الّا نفسه'' (رواہ مسلم) میرے بندو!یہ تمہارے اعمال ہیں جسے تم پر پیش کررہاہوں اوراس کی تم کو بھرپور جزا بھی دوں گا،توجوشخص بھلائی پائے اللہ کا شکرادا کرے اور جو اس کے سوا پائے وہ اپنے ہی کو ملامت کرے۔

جوشخص یہ کہتا ہے کہ انسان پابند ہے تو یہ جبریہ کا طریقہ ہے،جواس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے تمام کاموں میں مجبور محض ہے،ہوامیں لٹکے ہوئے اس بال کی طرح ہے جسے ہوائیں اپنے رخ پر اڑاتی ہیں اوروہ بے اختیار ہے،اس سلسلے میں یہ لوگ اس شعر کو بھی پڑھتے ہیں۔

ما حيلة العبد والأقدار جارية — عليــه في كل حال أيها الراي

انسان کیا کرسکتا ہے جبکہ اس پر تقدیر کا چکر ہر وقت جاری ہے۔

ألقاه في اليم مكتوفا وقال له — إيـاك إيـاك أن تبتـل بالمـاء

اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں ڈال دیا ہے اوراس سے کہہ رہے ہو بچاؤ بچاؤ پانی میں تر نہ ہوجانا۔

اور میں کہتا ہوں کہ یہ شعر اللہ اور اس کے رسول اور قضاء وقدر پر ایک جھوٹا بہتان ہے، قضا وقدر کا کوئی گناہ نہیں، گنہگار تو خود یہی لوگ ہیں جو تقدیر کے بارے میں جھوٹی بحث کررہے ہیں تاکہ حق کو دبا سکیں، لیکن یہ نظریہ حق سے دور ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بے دست و پا کر کے نہیں پیدا کیا ہے کہ وہ عمل و جہد اور قوت و زور کے ذرائع اور سعادت کے حصول اور دنیا و آخرت میں نعمت اور مقصود کے حصول سے مجبور ہو، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿إنا هديناه السبيل إمّا شاكراً وإمّا كفوراً﴾ ہم نے انسان کو راہ دکھلا دی یا تو وہ شکر گذار بنے یا ناشکرا رہے۔

نیز فرمایا: ﴿والله أخرجكم من بطون أمهاتكم لا تعلمون شيئاً وجعل لكم السمع والأبصار والأفئدة لعلكم تشكرون﴾ (النحل: ۷۸) اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تم کو کان دیئے اور آنکھ اور دل، تاکہ تم شکر کر۔

یہ ہیں وہ وسائل جو انسان کو دنیا کے عذاب اور آخرت کی سزا سے بچا سکتے ہیں، اس طرح وہ زندگی اور بعد موت دونوں میں سعادت مندرہے گا، لیکن جب انسان ان نفع بخش وسائل کو بیکار چھوڑ دے گا، اور بندگی رب کے جس مقصد کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے انھیں وہ اس راہ میں استعمال نہیں کرے گا۔ اسی طرح وہ اپنے مصالح اور جائز نفع دینے والے کاموں میں بھی ان سے کام نہ لے گا، تو سمجھو وہ اندھا بہرا ہو گیا ہے یا ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے مردہ کی طرح ہے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وجعلنا لهم سمعاً وأبصاراً وأفئدةً فما أغنى عنهم سمعهم ولا أبصارهم ولا أفئدتهم من شيء إذ كانوا يجحدون بآيات الله﴾ (الاحقاف) اور ہم نے ان کو کان اور آنکھ اور دل دیئے تھے، لیکن چونکہ وہ آیات الٰہیہ کا انکار کرتے تھے اس لیے نہ ان کے کان ذرا ان کے کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل۔

اور فرمایا ﴿أم تحسب ان أكثرهم يسمعون أو يعقلون إن هم إلا كالأنعام بل هم أضلّ سبيلاً﴾ (الفرقان: ۴۴) کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں وہ تو جانور بلکہ اس سے بھی بدتر ہیں۔

اللہ نے اہل جہنم کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا:

﴿وقالوا لو كنا نسمع أو نعقل ما كنا فى أصحاب السعير، فاعترفوا بذنبهم فسحقاً لأصحاب السعير﴾ (تبارک: ۱۰-۱۱) اور جہنمی کہیں گے اگر ہم سنے ہوتے یا سمجھے ہوتے تو جہنم والوں میں سے نہ ہوتے، اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے، دوری ہو اصحاب جہنم کے لیے۔

اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے لئے کان، نگاہ دل پیدا کیا اور اس کی وہ سب ضرورتیں پیدا کیں جن کا وہ دنیا میں محتاج ہے جیسے کھانا، پینا، لباس دوائیں، وہ ساری جڑی بوٹیاں جنھیں اطباء امراض کے علاج اور وباء و بلاء سے بچنے کے لیے استعمال کرتے ہیں تو درحقیقت یہ سب اللہ کی پیدا کردہ ہیں جنہیں اللہ نے زمین سے اگایا ہے، یہ سب اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے رحمت ہے۔ کہ ان چیزوں کا نفع انھیں پہونچتا ہے، اور ان میں سے ہر قسم کو ایک بیماری کے ازالہ وشفاء کے

لیے مخصوص کر دیا، تو یہی اللہ کی تقدیر ہیں جن کے ذریعہ اللہ نے بلاء کو دور کرنے کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے کیونکہ مہلت کے وقت یہ دوائیں صحت کے لیے حفظ وامان ہیں تو جولوگ ألقاه فی الیم کا شعر الاپ رہے ہیں وہ جبریہ ہیں جو تقدیر کو حجت بنا کر اپنی بداعمالیوں سے خودکو پاک وصاف کرنا چاہتے ہیں۔

خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ جنہیں علم نہیں ہے، سمجھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے قضاء وقدر کا مطلب ہے کہ بندوں کے افعال اور اعمال کے ارتکاب کی بابت اللہ کے علم کا مقدم ہونا، اعمال کے ذریعہ یہ حجت ان کے حق میں پوری ہوگی اور برائیاں اس حجت کے خلاف لاحق ہوں گی، کیونکہ بندوں کے افعال کا ان سے ارتکاب ہوا ہے اور قصد وارادہ سے یہ اعمال بندوں کے ساتھ وابستہ ہیں، لہذا اللہ کی طرف تقدیر کی نسبت کا مطلب ہے کہ اللہ کا علم بندوں پر سبقت کر گیا ہے اور جو کچھ وہ کرنے والے ہیں ان سب کو اللہ جانتا ہے، لیکن اس جاننے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کاموں پر انھیں مجبور کیا گیا ہے۔ انتہی (۱)

اور یہ اپنے ظلم، بدکاری، ترک اطاعت اور بدکرداری، بزہ خوری کو قضاء وقدر کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ قضاء وقدر کا کوئی قصور نہیں جرم تو ان کا، چنانچہ اگر کوئی ظالم ان کو مار پیٹ کر ان کا مال لوٹ کر یا ان کی بے آبروئی کر کے یہ کہے کہ یہ سب قضاء وقدر کی وجہ سے ہوا ہے تو یہ لوگ اس کی اس دلیل کو ہرگز نہیں مانیں گے، کیونکہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ استدلال سراسر باطل ہے۔ عقل کہتی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ باطل تک پہونچنا چاہتا ہے، لیکن یہی شخص اللہ کی اطاعت ترک کرنے والے اور حرام کاری کرنے والے کو اللہ کی طرف سے مجبور و پابند کیسے سمجھ لیتا ہے۔ (۲)

اسی بنیاد پر بعض علماء کہتے ہیں کہ جبریہ کا جواب بس یہی ہے کہ ان کے منہ پر طمانچہ مار کر کہا جائے کہ تمہاری دلیل کے مطابق یہ طمانچہ اللہ کی قضاء وقدر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور لایا گیا، آپ نے اس سے پوچھا کس چیز نے تم کو چوری پر آمادہ کیا؟ اس نے کہا: ''اللہ کی قضاء وقدر نے''، آپ نے فرمایا: میں بھی تمہارا ہاتھ اللہ کی قضاء وقدر سے کاٹ دوں گا، پھر آپ نے حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اسی طرح لوگ شاعر کے اس شعر کو بھی دلیل بناتے ہیں۔

جری قلم القضاء بما یکون فسیـان التحـرك والسـكون

جو کچھ ہونے والا ہے اس پر تقدیر کا قلم چل چکا ہے اب حرکت وسکون دونوں برابر ہے۔

(۱) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسے خطابی سے منہاج السنۃ میں نقل کیا ہے، اور خازن نے اپنی تفسیر میں (انا کل شیء خلقناہ بقدر) کے تحت نقل کیا ہے۔

(۲) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے رسالہ ''قضاء وقدر'' میں لکھتے ہیں ''تقدیر پر ہم ایمان رکھتے ہیں لیکن جو شخص تقدیر کو دلیل بنائے گا، اس کی دلیل باطل ہوگی اور جو تقدیر کو عذر بنائے گا اس کا عذر قبول نہ ہوگا، اگر تقدیر کو حجت بنانا مقبول ہوتا تو ابلیس اور دوسرے نافرمانوں کا یہ عذر قبول کر لیا گیا ہوتا، اگر تقدیر بندوں کے لئے حجت ہوتی تو اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہ دنیا میں سزا دیتا نہ آخرت میں۔ اگر تقدیر حجت ہوتی تو نہ چور کا ہاتھ کاٹا جاتا نہ قاتل کو قتل کیا جاتا، نہ کسی مجرم کو اس کے جرم پر حد جاری کی جاتی اور نہ ہی راہ الٰہی میں جہاد کیا جاتا، نہ اچھی بات کا حکم دیا جاتا، نہ بری بات سے منع کیا جاتا۔

یہ بھی بدترین شعر شمار ہوتا ہے، جوعقیدۂ جبر کی ترجمانی کرتا ہے، اور جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا یہ قول واعتقاد نقل وعقل دونوں اعتبار سے باطل ہے۔ اس نظریہ کے قائل قضاء وقدر کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے آدمی کی گردن میں طوق اور پاؤں میں زنجیر ہو، جس سے کوئی بھی چھٹکارا نہ پاسکتا ہو اور جس کے بغیر کسی کو کوئی چارۂ کار نہ ہو۔

یہ عقیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مردود ہو چکا ہے جس میں آپ نے فرمایا: ''اپنی نفع کی چیز کے حریص رہو اور اللہ سے مدد چاہو اور تھک ہار کرمت بیٹھ رہو''۔ اللہ سبحانہ، وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کو دنیا میں سہل و بیکار و بے دست و پا نہیں پیدا کیا ہے بلکہ انھیں کام کرنے والا، متحرک، آزاد و مختار بنایا ہے اور جس کا عمل کسی کو پیچھے کردے قضاء وقدر پر اس کا بھروسہ کرنا اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔

اور تقدیر کی حقیقت بس اتنی ہے کہ اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ان کی بابت اللہ کے علم سے اس کی خبر دینا، اس لیے کہ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے ان سب کا علم اللہ کو ہے، کیونکہ بندوں کے اعمال میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں ہے، لیکن اشیاء کے وقوع سے پہلے اللہ کا انھیں جان لینا اور بات ہے اور اللہ کی طرف سے ان اشیاء پر جبر کرنا بالکل دوسری بات ہے۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے امان وزمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھ دی تھی، اس لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ان اشیاء کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے ان کا علم حاصل تھا، اور یہ لکھنا علم غیب میں ہے، لہذا اس کتاب کو اپنی کتابت سے تشبیہ نہیں دینی چاہئے اور نہ اللہ کے قلم کو ہمارے قلم سے تشبیہ دینی چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور جو کچھ لوگ کرنے والے تھے اس کا علم اللہ کو تھا، پھر اپنے علم سے فرمایا: ''تو لکھی ہوئی چیز بن جا، وہ کتاب کی شکل میں ہوگیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ألم تعلم أنّ الله يعلم ما في السماء والأرض إنّ ذلك فى كتاب إن ذلك على الله يسير﴾ (الحج:۷۰)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب ''الایمان'' میں لکھا ہے:

''اور یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ تقدیر کو تقدیر سے دفع کرتا ہے اور تقدیر کو تقدیر سے مٹاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعا مانگتے ہوئے سنا گیا، آپ فرمارہے تھے: اے اللہ! اگر تو نے مجھے اپنی کتاب میں شقی لکھا ہے تو مٹا کر سعید لکھ دے، اس لیے کہ تو جو کچھ چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے''۔

اور اللہ کا ارشاد ہے: ﴿يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده أم الكتاب﴾ (الرعد ۳۹) اور جس چیز کو چاہتا ہے مٹادیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے، اور اس کے پاس اصل کتاب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس مٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ذریعہ پہلی کتاب ہٹائی گئی ہے اور ثوبان رضی اللہ عنہ کی

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''لا یرد القدر الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر وان الصدقة لتدفع میتة السوء'' (ابن حبان والحاکم) تقدیر کو دعا ہی لوٹا سکتی ہے اور نیکی عمر میں اضافہ کرتی ہے اور صدقہ بری موت کو دور کرتا ہے۔

اورحدیث کی دعاء کا ایک جزء یہ ہے۔﴿وقنا واصرف عنا شر ما قضیت﴾ اور ہمیں بچا اور ہم سے اس شرکو دور کردے جس کا تو نے فیصلہ کیا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دعاء قضاوقدر کو لوٹاتی ہے،اسی طرح صدقہ بری موت کو دور کرتا ہے،اسی طرح (ولا یزید فی العمر الا البر) کا مطلب خواہ ہم یہ لیں کہ اس سے دن ورات میں اضافہ ہے،یا عمر میں برکت مراد ہے، لیکن یہ سب قضاء وقدر کے تحت ہی ہوتا ہے،بہرحال انبیاء وعلماء کا دین امرالٰہی ہے جسے وہ تقدیر پر مقدم رکھتے ہیں۔

حدیث میں ثابت ہے۔

''بادروا بالصدقة فإن البلاء لا یتخطی الصدقة''۔

اورحسن بصری کے مراسیل میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنے مالوں کو زکوٰۃ دے کر محفوظ کرواور صدقہ کے ذریعہ اپنے بیماروں کی دوا کرو اور دعاوزاری کے ذریعہ بلاء کو برداشت کرنے کی قوت حاصل کرو(ابوداؤد فی مراسیل الحسن)

اوردعاء آسمان وزمین کے درمیان بلاء کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے،لہذا کوئی شخص دعا کرتے کرتے تھک نہ جائے اور یوں نہ کہنے لگے کہ اگر یہ بات میرے حق میں مقدر ہوتی تو مجھے ضرور مل جاتی خواہ میں دعا کرتا نہ کرتا،کیونکہ یہ ان ملحدوں کا طریقہ ہے جو دعا کی عبودیت کو باطل کرنا چاہتے ہیں،حالانکہ دعا عبادت کا مغز ہے۔اوراللہ نے بعض اشیاء کی تقدیر مقرر کی ہے،لیکن انسان اس کو دعا ہی کے ذریعہ حاصل کرسکتا ہے،اگر دعا نہیں کرے گا تو نہیں ملے گی،جیسا کہ ارشاد ہے:ومن یبخل فإنما یبخل عن نفسه﴾(محمد:۳۸) یعنی جو بخل کرے گا تو اپنے ہی اوپر کرے گا۔

وسبحان ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین۔☆

تصویب

ماہنامہ محدث کا گذشتہ شمارہ دسمبر ۲۰۱۱ء کے سرورق پرڈاکٹر جاوید اعظم رحمہ اللہ کے وفات کی خبر شائع کی گئی تھی جس میں آپ کے جامعہ سلفیہ کا صدر بننے کی تاریخ اکتوبر ۲۰۱۰ء کے بجائے اکتوبر ۲۰۱۱ء شائع ہوگئی تھی۔ادارہ اس تسامح کیلئے معذرت خواہ ہے۔

ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۹۵۰ء۔وفات ۲۰۱۱ء

مولانا محمد یونس مدنی/استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

نسب نامہ: ڈاکٹر جاوید اعظم بن عبدالعظیم بن عبدالحق بن حافظ عبدالرحمٰن بن حافظ عبدالرحیم بن اللہ بخش بن نذر محمد بن پیر محمد عرف فرنگی، آپ محلہ مدن پورہ شہر بنارس میں ۶/رجب ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۵/اپریل ۱۹۵۰ء بروز منگل پیدا ہوئے، آپ کا گھرانہ دین داری، تمول اور سخاوت وفیاضی میں اپنی مثال آپ تھا، آپ کے پردادا حاجی حافظ عبدالرحمٰن (م ۱۹۳۵ء) نہایت متقی، پرہیزگار اور غریب پرور انسان تھے۔ توکل، بے نیازی اور سادگی ان کی فطرت تھی، بنارس کے بڑے تاجروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، اپنی صاف گوئی، راست بازی، خوش معاملگی کی بناء پر وہ ''التاجر الصدوق'' کے صحیح مصداق تھے۔

ایسے دین دار گھرانے میں ڈاکٹر جاوید اعظم بنارسی رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھ کھولی اور نشو ونما پائی۔

تعلیم وتربیت: ڈاکٹر صاحب موصوف نے ابتدائی اور عربی کی جماعت رابعہ تک کی تعلیم بنارس کے مشہور ادارہ جامعہ رحمانیہ مدن پورہ میں حاصل کی۔ پرائمری درجات میں ماسٹر عبدالحمید صاحب جونپوری، قاری احمد سعید صاحب بنارسی اور مولانا ابوالخیر صاحب فاروقی آپ کے اہم اساتذہ میں تھے، مولوی رابع تک کی تعلیم مولانا عزیز احمد صاحب ندوی، مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی، مولانا قرۃ العین صاحب سے حاصل کی۔

موصوف جس سال جماعت رابعہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اسی سال جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کا افتتاح ہوا۔ رابعہ (مولوی) سے اوپر کی جماعت (عالمیت، فضیلت) جامعہ سلفیہ منتقل ہوگئی، چنانچہ عالمیت اور فضیلت کی تعلیم جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں ہوئی۔

فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ گئے اور کلیہ الدعوۃ واصول الدین میں داخلہ لیا اور ویزا کے سلسلے میں آپ کو اردن کا سفر بھی کرنا پڑا۔

۱۳۹۷ھ میں آپ نے کلیہ الدعوۃ واصول الدین سے ''لیسانس'' کی ڈگری حاصل کی ''لیسانس'' کی سند حاصل کرنے کے بعد دراسات علیا کی تعلیم مکۃ المکرمہ میں ہوئی، ماجستر (ایم اے) میں رسالہ کا موضوع تھا تحقیق ودراسۃ ''المقنع فی علوم الحدیث'' لابن الملقن۔

ڈاکٹر صاحب کو اپنے ماجستر کے رسالہ ''المقنع'' کے لیے مصر کا سفر کرنا پڑا، اس سفر کے دوران وہاں کے علمی اداروں، مکتبات اور اہم شخصیات سے ملنے کا موقع ملا۔

دکتوراہ (پی ایچ ڈی) کے رسالہ کا موضوع تھا دراسۃ وتحقیق ''الجزء الثامن من كتاب الإحسان فی تقريب صحيح ابن حبان''

جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرّمہ سے ماجستر (ایم اے) اور دکتوراہ (پی ایچ ڈی) کی اعلیٰ سندیں حاصل کیں، بنارس میں اسلامیات میں ام القریٰ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرنے والے آپ دوسرے شخص تھے۔

تاریخ اور مقام فراغت:۔

(۱) عالمیت	۱۳۹۰ھ	جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس
(۲) فضیلت	۱۳۹۲ھ	جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس
(۳) لیسانس	۱۳۹۷ھ	جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
(۴) ماجستر	۱۴۰۳ھ	جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرّمہ
(۵) دکتوراہ	۱۴۱۳ھ	جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرّمہ سعودی عرب

سند اجازہ:

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ الرحمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۴ھ) نے ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب کو اجازت حدیث کی جو سند عطا کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

''إن الأ خ الشيخ جاويد أعظم بن عبد العظيم من أهالي مدنفوره، بنارس الهند، طلب مني الإجازة برواية الحديث ووصل سنده بسند أئمة الحديث من أصحاب الصحاح وغيرهم، وقد أسعفته بمطلوبه، تحقيقا لظنه ومرغوبه وإن كنت لست أهلا لذلك، ولكن تشبها بالأئمة الأعلام السابقين الكرام، فأقول وبالله التوفيق: إنی قد أجزت الأخ الشيخ جاويد أعظم بن عبد العظيم المذكور أن يروي عني جميع ما تصح لی روايته من كتب الصحاح الستة وغيرها من الكتب المؤلفة فی الحديث و أصوله و أجزته أيضا أن يروي عني مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح......الخ

۲۸، صفر ۱۴۱۱ھ عبید اللہ الرحمانی المبارکفوری

۱۹ ستمبر ۱۹۹۰ء

اس سند اجازہ سے ڈاکٹر صاحب موصوف رحمہ اللہ کو شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ الرحمانی رحمہ اللہ سے نہ صرف یہ کہ شرف تلمذ حاصل ہوا بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو بزرگ علماء کرام سے کتنی محبت اور لگاؤ تھا اور علوم دینیہ سے کس قدر دلچسپی تھی۔

ہندوستان کے مشہور اساتذہ کرام:

ہندوستان کے مشہور اساتذہ کرام ہیں: (۱) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی م ۱۹۷۸ء (۲) مولانا شمس الحق سلفی

م ۱۹۸۶ء (۳) مولانا عبد المعید بنارسیؒ (م ۱۹۷۹ء) (۴) مولانا عبد الوحید رحمانیؒ م (۱۹۹۷ء (۵) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ (م ۲۰۰۹ء) (۶) مولانا محمد رئیس ندویؒ (م ۲۰۰۹ء) (۷) مولانا عبد الحمید رحمانی حفظہ اللہ (۸) مولانا عابد حسن رحمانیؒ (م ۲۰۰۹ء)۔

عرب اساتذۂ کرام:

(۱) شیخ حماد الانصاری (۲) شیخ صالح العراقی (۳) شیخ عبد اللہ الغنیمان (۴) ڈاکٹر ربیع ھادی المدخلی (۵) شیخ علی مشرف العمری (۶) شیخ رمضان ابو العزّ (۷) ڈاکٹر عبد العظیم الشناوی (۸) شیخ محمود عبد الوہاب فائد (۹) شیخ محمد محمد ابوفرحہ (۱۰) شیخ حسن مقبول (۱۱) شیخ یوسف النجار (۱۲) شیخ عبد العزیز البہنسی (۱۳) شیخ عبد الکریم المراد (۱۴) شیخ صالح المحیسن (۱۵) شیخ محمد المجذوب (۱۶) ڈاکٹر احمد محمود الاحمدی (۱۷) ڈاکٹر محمد ابوزھو (۱۸) ڈاکٹر مصطفیٰ امین التازی (۱۹) ڈاکٹر احمد نور سیف (۲۰) شیخ سیّد احمد (۲۱) ڈاکٹر عبد المہدی عبد القادر عبد الہادی۔

فراغت کے بعد مشغلہ:

ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب متمول گھرانے کے فرد تھے اور خود بھی مال دار تھے اگر چاہتے تو کاروبار سے لگ جاتے لیکن فراغت کے بعد موصوف نے درس وتدریس کو پسند فرمایا، طلبہ، اساتذہ اور علماء سے اپنا ربط برقرار رکھا اور زندگی کے آخر تک یہ سلسلہ جاری رکھا۔

دکتوراہ (پی ایچ ڈی) کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سعودی عرب کے شہر دمام میں کلیۃ الآداب للبنات جامعۃ الملک فیصل بن عبد العزیز میں تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے اور آپ نے صحاح ستہ کے منتخبات پڑھائے اور تدریس کا یہ سلسلہ ۱۴۱۴ھ سے لے کر ۱۴۳۰ھ تک برقرار رہا۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس میں لگ بھگ ایک سال تک تدریس کا فریضہ انجام دیا اور مؤطا امام مالک جیسی حدیث کی اہم کتاب اپنے درس میں رکھی۔

جامعہ سے آپ کا گہرا لگاؤ:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس سے آپ کو بڑی محبت، گہرا لگاؤ اور تعلق تھا، آپ جامعہ کی ترقی اور تعلیمی معیار کو بلند کرنے اور بہتر بنانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، آپ نے مملکت سعودی عرب میں چھتیس سال کی زندگی میں جامعہ کا تعارف کرانے میں اہم رول ادا کیا، آپ کی گراں قدر خدمات کو ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

جامعہ کے مادی تعاون کے ساتھ ساتھ معنوی تعاون کا بھی آپ نے خیال رکھا علماء ومشائخ سے بہتر سے بہتر تعلقات بنائے رکھا، جامعہ کی سینٹرل لائبریری کو آپ نے بیش از بیش قیمتی، معیاری اور مراجع کی کتابوں سے مالا مال کیا جو آپ کا ایک عظیم اور انمٹ کارنامہ ہے۔

اکتوبر ۲۰۱۰ء میں جامعہ کی مجلس نے آپ کو جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کا صدر منتخب کیا۔ جنتا سیوا اسپتال کے ذمہ داروں نے بھی آپ کو مئی ۲۰۱۱ء میں باتفاق رائے اسپتال کا صدر منتخب کیا۔

دعوت وتبلیغ اور خطابت:

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو دعوت وتبلیغ اور خطابت کا بھی شوق تھا، آپ مستقل کسی مسجد کے خطیب تو نہیں تھے، لیکن گاہے بگاہے خطبۂ جمعہ دیا کرتے تھے، میں نے آپ کا سب سے پہلا خطبۂ جمعہ زمانہ طالبعلمی میں حافظ ظہور کی مسجد میں سنا، انفاق فی سبیل اللہ کے موضوع پر اچھے انداز میں خطاب فرمارہے تھے، مسجد اہلحدیث للّٰہ پورہ میں بھی آپ نے خطبۂ جمعہ دیا، ادھر چند ماہ پہلے میرے ساتھ بھدوہی کے ایک سفر میں تشریف لے گئے تھے وہاں بھی آپ نے خطبۂ جمعہ دیا، آپ کو شوق ضرور تھا لیکن جسمانی مجبوری کی وجہ سے بہت کم خطبہ دیا کرتے تھے۔ ۲۹ مئی ۲۰۱۱ء کو سعیدیہ لائبریری کے میدان میں تبلیغی اجتماع تھا، جس کی صدارت آپ نے فرمائی اور عوام کو بہترین انداز میں خطاب فرمایا۔

کانفرنس، سمینار اور اجلاس عام میں شرکت آپ کا معمول تھا، باہمت اس قدر تھے کہ دور دور کا سفر کر لیتے تھے، ادھر ڈاکٹر رحمہ اللہ نے دہلی، مدراس، نیپال وغیرہ کا سفر اسی مقصد کے لئے کیا تھا، مدراس کا سفر دراصل آنکھ چیک کرانے کے لیے کیا تھا آپ کو آرام کی ضرورت تھی پھر بھی الحاج احسان اللہ صاحب کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مدراس کی مسجد مبارک میں لوگوں کو بڑا جامع اور پر مغز خطاب فرمایا۔

جامعہ کے قاعۃ المحاضرات میں ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب رحمہ اللہ کا آخری خطاب بروز جمعرات بتاریخ ۲۷/۱۰/۲۰۱۱ء کو ہوا، جو کہ ایک خاص پروگرام کے طور پر منعقد کیا گیا تھا جس کی صدارت خود ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمائی تھی۔

آپ نے اپنے اس اجتماع میں طلبہ کو بصیرت افروز خطاب سے نوازا، آپ نے حالات حاضرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے دہشت گردی کے متعلق فرمایا کہ دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور نہ ہی مسلمان دہشت گرد ہوسکتا ہے، کیونکہ مسلمان ایک ایسے مذہب کا پابند ہے جس کی تعلیمات میں دور دور تک بھی ظلم وبربریت کا نام نہیں ہے۔ نیز جس مذہب کا درس ہی امن وشانتی اور انصاف پسندی کا ہو تو پھر وہ اور اس کے ماننے والے کیسے دہشت گرد ہوسکتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ملک میں کچھ لوگ امن کی فضاء کو مکدر کرنے کے درپے ہیں اور اس کے بعد اسکا تعلق اسلام کے ماننے والوں کی طرف منسوب کر کے خاص پروپیگنڈے کے تحت چند ہونہار نوجوان کو گرفتار کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا جاتا ہے۔

اخیر میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے امت مسلمہ کے حق میں دعاء خیر کی اور اس کے ساتھ ہی اپنے خطاب کا بھی اختتام کیا۔

اخلاق وعادات:

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اعلیٰ اخلاق وکردار کے حامل بڑے خوش اخلاق ملنسار اور مرنجان مرنج شخصیت کے مالک

تھے، بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۳ء تک مدینہ میں قیام کے دوران کئی بار مکہ جانے کا اتفاق ہوا طعام کا انتظام آپ ہی کرتے تھے۔ آپ کے یہاں مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری اور کئی دیگر علماء کرام بھی مہمان ہوتے جب جب ڈاکٹر صاحب بنارس تشریف لاتے تو جامعہ سلفیہ کے مخصوص و بزرگ علماء کرام کو کبھی عصرانہ اور کبھی عشائیہ پر بلاتے اور بڑی پر تکلف دعوت کرتے، صاحب زادے کی شادی میں بنارس کے ہر علاقہ کے لوگوں کو دعوت دی تھی بنارس اور مضافات کے لوگوں نے بڑی تعداد میں ولیمہ میں شرکت کی تھی، جزاہ اللہ خیرا۔

بیماری اور وفات:

ڈاکٹر صاحب موصوف رحمہ اللہ بیمار تو رہا کرتے تھے، آپ کو شوگر کا مرض تھا، علاج بھی برابر جاری تھا، معمول کے مطابق روزانہ جامعہ تشریف لاتے اور مختلف جگہوں میں ہونے والے امتحان کا جائزہ لیتے لیکن ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ آپ آنا فانا اس دار فانی سے رخصت ہو جائیں گے۔

۲۶ محرم ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۲، دسمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات حسب معمول جامعہ تشریف لائے اور مسجد کے تہ خانہ میں جہاں طلبہ کا امتحان ہو رہا تھا کافی دیر تک بیٹھے رہے، جب امتحان ختم ہوا تو دھوپ میں بیٹھ کر اساتذہ کے ساتھ محو گفتگو تھے، ظہر کی نماز جامعہ میں ادا کی اس کے بعد گھر تشریف لے گئے سب کچھ ٹھیک تھا، رات کو سینے میں تکلیف اٹھی اور دھیرے دھیرے بڑھتی گئی، نماز فجر کے وقت ایمبولنس آئی تا کہ اسپتال لے جایا جائے لیکن اس کی نوبت نہ آئی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اس طرح آپ ۲۷/ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ، ۲۳/ دسمبر ۲۰۱۱ء بوقت ۶/ بجے صبح جان جاں آفریں کے حوالہ کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی روز بعد نماز مغرب جناب عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ نے مدن پورہ روڈ پر آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، جنازہ میں شرکت کیلئے، دہلی سے مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی سلفی حفظہ اللہ، مئو، مبارکپور کے مدارس کے علماء کرام جامعہ کے طلبہ واساتذہ کرام بنارس ومضافات بنارس سے کافی تعداد میں لوگ جنازہ میں شریک تھے، ۷/ بجے شام اپنے آبائی قبرستان سکرا باغ میں سپرد خاک کر دئے گئے۔ الهم اغفرله وارحمه ووسع مدخله۔

ملک کے مختلف حصے میں آپ کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پسماندگان میں بیوی ایک لڑکا اور چھ لڑکیاں ہیں ماشاء اللہ آپ نے بھرا پرا خاندان چھوڑا ہے۔

آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالمحسن حفظہ اللہ لیسانس کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد دمام میں اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

نوٹ: ڈاکٹر صاحب سے متعلق بعض اہم معلومات آپ کے صاحبزادے عبدالمحسن صاحب نے فراہم کی۔ ☆☆☆

نفس انسانی.......!

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی

نفس انسانی کا ایک مطالعہ وتجزیہ وہ ہے جسے سائنسدانوں اور دیگر انسانوں نے اپنے علم وفہم اور عقل وشعور کی نگاہوں سے کیا ہے اور پھر ہر ایک تجزیہ وتبصرہ اس قدر گنجلک، مغلق اور عام فہم سے اس قدر پرے ہے کہ عام آدمی کے لئے وہ ایک معمہ ہی بنکر رہ جاتا ہے۔ہم یہاں قرآن، جو اللہ علیم وحکیم کی کتاب ہے، کے حوالے سے چند بنیادی باتوں کا سرسری ذکر ہوتا ہے جو بلاشبہ قابل فہم وعمل بھی ہے اور مفید بھی.......!

قرآن کے مطابق ہر نفس انسانی فطرۃً خیر وشر سے واقف ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر انسانی نفس کو الہامی طور پر اس کا علم واحساس اور شعور عطا کیا ہے کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے چنانچہ ہر کوئی ہمدردی وتعاون اور ایثار ومحبت کو خیر ونیکی اور بھلائی کے کام تصور کرتا ہے اور نفرت وعداوت اور ظلم وزیادتی کو پاپ اور گناہ عظیم سمجھتا ہے۔علیٰ ھذا القیاس دنیا کی ہر نیکی وبھلائی کے کام کو انسان فطری طور پر دل اور نفس میں محسوس کرتا ہے اسی طرح ہر برائی کو وہ فطری طور پر جانتا ہے۔اب یہ نفس انسانی کا کام ہے کہ وہ اپنے نفس کو شر کے مطابق ڈھالتا ہے یا خیر کے مطابق زندگی گذار کر دنیا اور آخرت کے فوز وفلاح اور عزت وکامرانی سے شادکام ہوتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ''ونفس وما سوّاھا فألھمھا فجورھا وتقواھا، قد أفلح من زکاھا وقد خاب من دسّھا'' (الشمس: ۷-۱۰) یعنی اور نفس کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار پیدا کیا پھر اسے سمجھ (الہام) دی اسکو برائی کی اور بچ کر چلنے (تقویٰ) کی۔جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملادیا وہ ناکام ہوا''۔سمجھ اور الہام شر وخیر اور فجور وتقویٰ کا مطلب یا تو ہے کہ اللہ نے انہیں اچھی طرح سمجھا دیا اور انہیں انبیاء علیھم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ شر وخیر کی پہچان کروادی یا مطلب یہ ہے کہ ان کی عقل وفطرت میں خیر وشر اور نیکی وبدی کا شعور ودیعت کردیا تاکہ وہ نیکی کو اپنائیں اور بدی سے بچیں بلکہ زیادہ سچی اور پکی بات یہ ہے کہ ہر نفس انسانی کو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر ایسی صلاحیت دی کہ جسکی بدولت وہ اس قابل ہوا کہ وہ ایسا کام کرسکے جو اسکے قابل ہے، وہ اپنی اچھی اور بری باتوں کو سمجھتا ہے، نفع اور نقصان والے کام کا علم واحساس رکھتا ہے۔اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ نے انسان کو فطرۃً بدمعاش نہیں بنایا یا برا اور نافرمان نہیں بنایا (وہ تو صحبت، ماحول اور اسکی پرورش وپرداخت کا گردوپیش ہے کہ برا آدمی بد اور نافرمان بن جاتا ہے، انسان فطرۃً نیک ہے) بلکہ اللہ نے سب کو سیدھی فطرت پر پیدا کیا اللہ نے فرمایا بھی: ''فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا'' (الروم) یعنی اسکی ساخت وتخلیق ایسی نہیں ہے اگر وہ سیدھی اور نیکی وبھلائی کی راہ اپنانا چاہے تو وہ نہیں

اپنا سکے۔ وہ تو چند عوامل سامنے آتے ہیں جن کے سبب سے وہ کوئی راستہ اپناتا ہے۔ یہی بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:کل مولود یولد علی الفطرة فأبواه یهودانه وینصرانه ویمجسانه''(متفق علیہ) ہر پیدا شدہ سیدھی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ اس کے والدین ہیں جوسکو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں'' معلوم ہوا کہ ہر شر و خیر کا علم ہر نفس کو اللہ نے فطری طور پر عطا کیا ہے اور وہ اسے معلوم بھی ہے، سچ اور جھوٹ، ظلم وانصاف، عفو وانتقام، محبت ونفرت اور انسانیت وشیطانیت الغرض ہر دو میں سے ایک کیا اچھا اور کیا برا ہے یہ ہر نفس انسانی کو معلوم ہے۔ غالبًا اسی حقیقت کی جانب اس صحیح حدیث میں اشارہ ہے جس میں آتا ہے کہ کسی صحابیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ گناہ کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ گناہ وہ کام ہے جسکو تم کرو تو تمہارے دل میں کھٹک اور قلق واضطراب محسوس ہو۔ چنانچہ بدیہی علم اور عام تجربہ ومشاہدہ ہے کہ آدمی عموماً برے کام چھپ کر ہی کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ برا ہے، لوگ اسے جان جائیں گے تو لوگ اسے برا کہیں گے جبکہ نیک کام میں ایسا نہیں ہوتا ہے، اسی طرح ایک معلوم حقیقت ہے کہ اچھے کام پر آدمی کا نفس مسرور اور دل وجان شادماں ہوتا ہے، وہ بے پناہ خوشیوں سے بھر جاتا ہے جبکہ برے کام کرتے ہوئے وہ دل سے کبیدہ اور فطری طور پر تناؤ محسوس کرتا ہے اور برے کام کرنے کے بعد وہ قطعاً دل سے خوش نہیں رہتا۔ بس یہیں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو شر اور خیر کا علم عطا کر دیا ہے یہ آدمی پر منحصر ہے کہ وہ کسکو اختیار کرتا ہے یہی باتیں قرآن کی ان آیات (الدھر:۳)(القیامہ:۲،اور-۱۵)(البلد:۱۰) میں بیان کی گئی ہیں تشریح کے لئے یہاں ملاحظہ کریں۔

قرآن میں نفس انسانی کی تین قسمیں جہاں بتائی گئیں ہیں ان سے بھی اس حقیقت کی مزید وضاحت ہوتی ہے، اللہ کے فرمان کے مطابق نفس انسانی کی تین قسمیں ہیں (۱) نفس مطمئنۃ (۲) نفس لوّامہ (۳) نفس امّارہ۔ ان میں سے ہر ایک کی مختصر وضاحت پیش ہے۔

(۱) نفس مطمئنۃ سے مراد وہ نفس ہے جس نے کسی شک وشبہ کے بغیر پورے اطمینان قلب اور ٹھنڈے دل سے اللہ کو اپنا رب اور انبیاءؑ کے لائے دین وشریعت کو اپنایا ہوا اور ان کی اطاعت کی ہو اسی کو دوسری جگہ شرح صدر (الانعام:۱۲۵) سے تعبیر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''یا أیتها النفس المطمئنة ارجعی إلی ربك راضیة مرضیة فادخلي في عبادي وادخلي جنتي''(الفجر)

(۲) نفس لوّامہ ہے جو اس کے ظاہر اور معنی سے بھی معلوم ہے یعنی وہ نفس جو انسان کو اسکے کسی بھی غلط کام کرنے پر ملامت کرتا ہے (بلکہ نیک کام زیادہ سے زیادہ کرنے پر بھی اکساتا ہے) اسی کو ہم اصطلاح میں ضمیر بھی کہتے ہیں، اللہ نے فرمایا:''ولا اقسم بالنفس اللوّامة''(القیامہ:۲)

(۳) نفس امارہ:۔ وہ نفس جو انسان کے دلوں میں غلط کام کے لئے وسوسے پیدا کرتا رہتا ہے۔قرآن کریم میں ہے: وما أبرئ نفسي أن النفس لأمّارة بالسوء (یوسف:۵۳) یہی بات دوسری جگہ یوں ہے: من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس (الناس) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نفس کی شرارت سے پناہ مانگتے تھے''ونعوذ بالله من شرور أنفسنا''۔نفس انسانی کی ان تین قسموں کی وضاحت کے ساتھ اللہ یہ بھی فرماتا ہے کہ شر وخیر کے علم اور پھر ان میں سے ہر دو کی طرف میلان کے باوجود وہ نفس قابل قدر اور اکرام ہے جو شر کی خواہشات کو دبائے اور برائیوں سے بچے اور اسے پاک صاف رکھے۔اللہ نے فرمایا:''وأما من خاف مقام ربه ونهی النفس عن الهویٰ فان الجنة هی الماویٰ''یعنی جو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور نفس کی من مانی سے بچے تو جنت اس کا ٹھکانا ہے،نفس کا یوں تزکیہ اور اسکی پاکی وصفائی کرتے رہنا چاہئے کہ بلاشبہ اس کا انجام بہتر ہے یہ بات اللہ نے کئی ایک جگہ بیان بھی فرمائی،مثلاً: قد أفلح من تزکی (الاعلی:۱۴) اور فرمایا: قد أفلح من زکاها وقد خاب من دساها''۔

پھر قرآن نے کئی جگہ اسکی بھی وضاحت کی ہے کہ نفس کا تزکیہ کیسے ممکن ہے،مثلا: صدقہ وخیرات کو نفس کے تزکیہ کا ایک ذریعہ بتاتے ہوئے اللہ نے فرمایا:''خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم بها وصل علیهم انّ صلاتك سکن لهم والله سمیع علیم''(التوبہ:۱۰۳) یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں اور ان کے لئے دعا کیجئے کہ بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے......''

صاحب تفہیم نے قرآن کی آیت:''ان ناشئة اللیل هی أشد وطأً وّأقوم قیلا''(المزمل:۶) یعنی بے شک رات کا اٹھنا دل جمعی کے لئے انتہائی مناسب ہے) کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ نفس کی تطہیر وصحتمند تعمیر میں تہجد کی نماز کا بڑا اھم کردار ہے اور بلاشبہ جو اس نماز کو ادا کرتے پھر اسکی پابندی کرتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ واقعۃً اس نماز کا آدمی کے نفس اور دل ودماغ پر کتنا وسیع ومفید اثر مرتب ہوتا ہے۔مزید برآں نفس انسانی کی تطہیر وتعمیر میں اچھے اور نیک خیالات،مثبت افکار اور صحتمند عقائد کا بنیادی اثر ہوتا ہے اور جب نفس انسانی یوں پاک صاف ہوجاتی ہے تو وہ ہر دوجہاں کی روحانی وابدی مسرت اور فوز وفلاح سے لازماً شادماں ہوکر رہتی ہے۔اللہ ہمارے نفوس وقلوب کا تزکیہ فرماکر دارین کی فلاح عطا فرمائے،آمین۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

سال رواں کا ششماہی امتحان اختتام پذیر:

جامعہ سلفیہ میں تعلیمی سال ۲۰۱۱ء-۲۰۱۲ء کا ششماہی امتحان الحمد للہ بروز جمعرات بتاریخ ۲۹ دسمبر ۲۰۱۱ء اختتام پزیر ہوگیا اس امتحان میں شریک ہونے والے طلباء کی مجموعی تعداد ۵۹۶ رہی جبکہ ۲۲ شاخوں سے شریک ہونے والے طلباء ۱۷۲ر رہے۔

ادارۃ الامتحانات کی نوٹس کے مطابق امتحان کے اختتام کے تین روز بعد کاپیاں آفس میں جمع کرادی گئیں اور دوبارہ تعلیم کے آغاز سے پہلے ہی طلباء کے نتائج تیار کردیئے گئے۔

جامعہ سلفیہ میں دوبارہ تعلیم کا آغاز:

جامعہ سلفیہ میں طلباء کیلئے ششماہی امتحان کی تعطیل جو بروز سنیچر بتاریخ ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۱ء سے شروع ہوکر بروز سوموار ۹ جنوری ۲۰۱۲ء کو ختم ہوئی اسکے بعد تعلیم دوبارہ شروع کردی گئی اگر چہ بنارس کا موسم سرد تھا مگر اسکے باوجود شہر کے اعلیٰ حکام کی طرف سے تعطیل کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا اسلئے طلباء وقت مقرر پر آنے لگے اور تعلیم دوبارہ شروع کردی گئی۔

سال آئندہ کیلئے داخلہ کی کارروائی:

جامعہ سلفیہ میں تعلیمی سال ۲۰۱۲ء-۲۰۱۳ء کیلئے داخلہ کی کارروائی شروع ہوچکی ہے یہ داخلہ متوسطہ اولیٰ، عالمیت اولیٰ، فضیلت اولیٰ، شعبہ حفظ وتجوید کے درجات میں ہوگا، داخلہ کے خواہشمند حضرات دفتر شؤون الطلاب جامعہ سلفیہ سے فارم حاصل کررہے ہیں جبکہ فارم جامعہ کی ویب سائٹ www.aljamiatussalafiah.org پر بھی موجود ہے اور اس سے ڈاؤن لوڈ کیا جاسکتا ہے۔ فارم جمع کرنے کی آخری تاریخ ۳۱ مارچ ۲۰۱۲ء ہے۔

اوقات تعلیم میں تبدیلی:

۱۱ جنوری ۲۰۱۲ء بروز بدھ سے جامعہ سلفیہ میں سرد موسم کیوجہ سے اوقات تعلیم کو قدرے تبدیل کردیا گیا، تعلیم اب صبح ۸ بجے سے شروع ہوکر دوپہر ۲ بجے ختم ہوتی ہے اور اس دوران ناشتہ کا وقفہ ۹:۲۰ سے ۹:۴۵ تک ہے جبکہ دوسرا وقفہ نماز ظہر کیلئے ۱۲:۱۵ سے شروع ہوکر ۱۲:۵۰ پر ختم ہوتا ہے، یہ نظام الاوقات ۲۹ رفروری ۲۰۱۲ء تک لاگو رہے گا انشاء اللہ۔

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

شاہ عبداللہ دوسری مرتبہ دنیا کی سب سے طاقتور مسلم شخصیت قرار دیئے گئے:

سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ کو دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور اور بااثر مسلم شخصیات میں پہلا مقام حاصل ہے، حال ہی میں اردن کے رائل سینٹر فار اسلامک ریسرچ نے جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے ساتھ دنیا کے تمام مسلم ممالک کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی، اس سلسلے میں ایک سروے کیا، جس سے پتہ چلا کہ شاہ عبداللہ کا اثر ورسوخ نہ صرف سعودی تک محدود ہے، بلکہ بیشتر مسلم اور دوسرے ممالک میں بھی انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے۔ (انقلاب ممبئی از بنارس ۱۱/۱۲/۱ا)

''این میک'' کمپنی نے قرآن موبائل متعارف کرایا:

دوبئی کی کمپنی ''این میک'' نے دہلی کے انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر (آئی آئی سی سی) میں ایک ایسے ''قرآں موبائل'' کے تعارفی پروگرام کا انعقاد کیا ہے جس میں دنیا کے سات شہرت یافتہ قراء کی آواز میں پورا قرآن ریکارڈ ہے۔

MQ 3500 ماڈل کا یہ قرآن موبائل لوگوں کے لئے نہ صرف دلچسپ بلکہ انتہائی کارآمد ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ اس میں اردو، انگریزی، ہندی، بنگالی، ملیالم، اور تمل سمیت ۲۹ زبانوں میں قرآن کا ترجمہ مع تفسیر موجود ہے۔ مزید اسکے علاوہ خوبیاں بھی ہیں۔ مثلاً حج گائڈ، زکوۃ کیلکولیٹر، قبلہ نما، اذان اور صحیح احادیث کے استعمال کے طریقوں سے سامعین کو واقف کرایا ہے۔ (سنڈے انڈین ۱۱/۱۲/۱۱)

افغانستان اور فلسطین کے حقوق انسانی کے دو کارکنوں کو یونیسکو کی جانب سے ایوارڈ:

پیرس: افغانستان کی حقوق نسواں کی کارکن انارکلی ہنریار اور فلسطین کے حقوق انسانی اور امن کے کارکن خالد ابوعواد کو یونیسکو کے دفتر میں منعقدہ ایک سادہ تقریب میں ایک لاکھ امریکی ڈالر کے یونیسکو مدن جیت سنگھ انعام برائے فروغ رواداری وعدم تشدد سے سرفراز کیا گیا۔ (انقلاب ممبئی از بنارس ۱۱/۱۲/۱۴)

اسلامی قوانین کی معنویت دائمی ہے:

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے زیر اہتمام موجودہ عہد میں اسلامی قوانین کی معنویت کے موضوع پر دوروزہ سمینار رہوا۔ جس میں اپنے خطاب کے دوران جسٹس جسے ایس ورمانے کہا کہ قرآن مجید پوری انسانیت کی رہنمائی کے لئے ہے۔ جس کا اظہار اس کی پہلی سورہ سے ہی ہوتا ہے، جہاں اللہ تعالی کو رب العالمین کہا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی قوانین کی اہمیت ومعنویت دائمی اور حتمی ہے اور شرعی قوانین کی پشت پر جو حکمت اور دلائل کارفرما ہیں وہ واقعی عقلیت پر مبنی اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ (اخبار تحقیق، اسلام آباد جولائی۔ستمبر ۱۱)

☆☆☆

تعارف وتبصرہ

تعزیہ داری علمائے امت کی نظر میں

تعارف وتبصرہ

نام کتاب:	**تعزیہ داری علمائے امت کی نظر میں**
جمع وترتیب:	مولانا حافظ اسعد اعظمی
طابع وناشر:	مکتبۃ الفہیم ،مئوناتھ بھنجن یوپی
سال اشاعت:	جنوری ۲۰۱۱ء
صفحات	۸۰
قیمت	-/۴۵
مبصر	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

مولانا اسعد اعظمی کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے،آپ جامعہ سلفیہ کے استاذ اور یہاں سے شائع ہونے والے عربی ماہنامہ ’’صوت الامۃ‘‘ کے ایڈیٹر ہیں۔عربی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں۔علمی ،تحقیقی اور اصلاحی موضوعات پر آپ کی نگارشات نے خاص پذیرائی حاصل کی ہے۔تقریبا ایک درجن کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں جن میں سے بعض مطبوع اور بعض زیر طبع ہیں۔

زیر نظر تالیف ’’تعزیہ داری علمائے امت کی نظر میں‘‘ موصوف کا نہایت ہی مفید اور اصلاحی رسالہ ہے۔آج ہندوستان میں جو بدعات وخرافات اور غیر شرعی رسوم مروج ہیں وہ نہ صرف مسلمانوں کے حق میں انتہائی مضر ہیں بلکہ اشاعت اسلام کی راہ میں ایک بڑا روڑا ہے، جویان حق اسے اصل اسلام سمجھ کر اسلام سے برگشتہ ہو جاتے ہیں اور معاندین اسلام کو حرف گیری اور انگشت نمائی کا ایک اچھا موقع ملتا ہے۔

ان میں سے تعزیہ داری کی رسم بدانتہائی خطرناک ہے،شرعی ،معاشی اور سماجی ہر حیثیت سے اس کا نقصان واضح ہے یہی وجہ ہے کہ ہر مسلک کے علماحتی کہ مبتدعین اہل تشیع کے علمانے اس سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔حیرت کی بات ہے کہ سنی عوام جو اپنے علماء کی عزت وقدر مبالغہ آمیزی کی حد تک کرتے ہیں،اس مسئلہ میں وہ اپنے علماء کے فتاوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور ماہ محرم آتے ہی شیعیت کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔

مولانا نے اس کتاب کے ذریعہ سنی عوام کے قلوب وضمائر کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے تعزیہ داری پر روشنی ڈالنے سے قبل ماہ محرم اور یوم عاشورہ کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔چونکہ ماہ محرم میں جو خرافات کی جاتی ہے ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو خاص نشانہ بنایا جاتا ہے،اس لیے آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کرام کے

مقام ومرتبہ پر پہلے روشنی ڈالی ہے۔

اس کے بعد اصل موضوع تعزیہ داری کی تاریخ بیان کی گئی ہے پھر تعزیہ داری کی حرمت کے تعلق سے بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کے فتاوے اور اقوال ذکر کیے گئے ہیں آخر میں مشہور شیعہ عالم ڈاکٹر موسی موسوی کی کتاب سے ایک اقتباس دیا گیا ہے۔

چونکہ کتاب کے اصل مخاطب سنی عوام ہیں جو بڑے جوش وخروش سے تعزیہ داری اور محرم کے رسوم کو انجام دیتے ہیں، اس لیے مولانا نے ان کے مقتدر اور بڑے علما کے فتاووں اور اقوال کو پہلے اور نسبتاً تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کے بعد علی الترتیب دیوبندی اور اہل حدیث علما کے فتاووں کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کا اسلوب اور انداز بیان آسان اور سلیس اور عوامی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ فائدہ اٹھاسکیں۔ اسلوب میں وقار اور سنجیدگی ہر جگہ نمایاں ہے۔ ہر مکتب فکر کے علما کا تذکرہ عزت واحترام سے کیا ہے، ایسے جملوں سے احتراز کیا ہے جس سے کسی کے جذبات کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ ہو۔

اکثر مصنفین لکھتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے مخاطب کس درجہ کے لوگ ہیں وہ مذہبی کتابوں کے لیے قدیم مصنفین کا رنگ اپناتے ہیں یا اپنی علمیت کا رعب بٹھانے کے لیے حوالوں کا ڈھیر لگاتے ہیں جس سے عام قاری کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ہے نتیجتاً وہ اکتاہٹ کا شکار ہوتا ہے اور کتاب کو بغیر پڑھے رکھ دیتا ہے یا صرف ورق گردانی پر اکتفا کرتا ہے۔

مولانا اسعد اعظمی اپنی تحریروں میں خاص طور سے قاری کی دلچسپی کا لحاظ رکھتے ہیں اور ایسا طرز بیان اپناتے ہیں جس سے قاری اکتاہٹ کا شکار نہ ہو اور اس سے پوری طرح محظوظ ومستفید ہو سکے۔

بڑی بدنصیبی اور محرومی ہوگی اگر کتاب صرف اہلحدیث حلقوں تک محدود ہو کر رہ جائے۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہندوستان کے طول وعرض میں سنی عوام تک یہ کتاب پہنچے تاکہ وہ اپنے علما کے فرمودات کو پڑھیں، عزاداری وتعزیہ داری سے واقفیت حاصل کریں اور اس سے توبہ کریں۔ ☆☆☆

ضرورت مدرسین ومؤذن

مدرسہ احمدیہ سلفیہ ملکی محلّہ، آرہ، ضلع بھوجپور، بہار کو ایک مدرس اور ایک کمپیوٹر آپریٹر، نیز مسجد ابراہیم آروی ملکی محلّہ آرہ کے لئے ایک مؤذن کی ضرورت ہے۔ ان شاء اللہ مع طعام وقیام معقول تنخواہ دی جائیگی۔ تفصیل جاننے کیلئے درج ذیل پتہ پر رابطہ کریں۔

المعلن: محمد انور آروی

مساعد ناظم: مدرسہ احمدیہ سلفیہ ملکی محلّہ

آرہ، ضلع بھوجپور، بہار-۸۰۲۳۰۱

Mo.:09934247575

باب الفتاوی

مندرجہ ذیل مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

(۱) میت کو قبر میں اتارتے وقت کونسی دعا پڑھی جائے اور اسے کون پڑھے؟

(۲) کیا خواتین بھی نماز جنازہ میں شریک ہوکر نماز جنازہ پڑھ سکتی ہیں؟

(۳) وہ بچے جو ماں کے پیٹ سے مردہ پیدا ہوتے ہیں ان کی نماز جنازہ ادا کی جائیگی یا نہیں؟

الجواب بعون اللہ الوہاب ومنہ الصدق والصواب:

(۱) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ احادیث کی مختلف کتابوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے مردوں کو قبر میں اتارو تو یہ دعاء ''بسم الله وعلى سنة رسول الله'' اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''بسم الله وعلى ملة رسول الله....الخ'' پڑھو، (صحیح ابوداؤد، ح:۲۷۵۲، کتاب الجنائز، باب فی الدعاء للمیت إذا وضع فی قبرہ، سنن ابن ماجہ، ح:۱۵۵۰، جامع ترمذی، ح:۱۰۴۶، مسند احمد ۶۹/۲)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ''الميت إذا وضع فى قبره فليقل الذين يضعونه حين يوضع فى اللحد: بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله'' (المستدرك على الصحيحين للحاكم ج۱، ص:۶۹۶، كتاب الجنائز ح:۱۳۹۵) یعنی جب میت کو قبر میں رکھا جائے تو اسے لحد میں رکھتے وقت قبر میں اتارنے والے لوگ کہیں: ''بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله''۔

اوپر مذکورہ تمام روایتوں سے معلوم ہوا کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت مذکورہ دعاء پڑھی جائیگی۔ اور یہ دعاء میت کو قبر میں اتارنے والے حضرات ہی پڑھیں گے، کیونکہ مستدرک حاکم کی اس حدیث کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اگر عورتیں چاہیں تو نماز جنازہ ادا کرسکتی ہیں جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت سعد بن أبی وقاصؓ پر مسجد میں نماز جنازہ ادا کی ....الخ'' الفاظ حدیث ملاحظہ فرمائیں ''عن عباد بن عبدالله بن الزبير أن عائشة أمرت أن يمر بجنازة سعد بن أبى وقاصؓ فى المسجد فتصلى عليه.....الخ وفى رواية عن عباد بن عبد الله بن الزبير يحدث عن عائشة أنها لما توفي سعد بن أبى وقاص أرسل أزواج النبى صلى الله عليه وسلم أن يمروا بجنازته فى المسجد، فيصلين عليه، ففعلوا، فوقف به على حجر هن يصلين عليه...'' (صحیح مسلم ج:۱ص:۳۱۲،۳۱۴ کتاب الجنائز، باب فی جواز الصلاۃ علی المیت فی المسجد، ابوداؤد، ح:۳۱۸۹، جامع ترمذی، ح:۱۰۳۳، سنن ابن ماجہ، ح:۱۵۱۸۔

ان روایات کا ماحصل یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض دیگر امہات المومنین نے حضرت سعد بن ابی

وقاص رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا کی۔

اسی طرح ایک روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت عمیر بن ابی طلحہ فوت ہوئے تو حضرت ابوطلحہؓ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت عمیر پر ان کے گھر میں نماز جنازہ ادا کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آگے تھے اور حضرت ابوطلحہؓ آپ کے پیچھے تھے اور ام سلیمؓ حضرت ابوطلحہ کے پیچھے تھیں اور ان کے ساتھ ان کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔''امام حاکم اور امام ذھبی نے اس حدیث کو صحیح بخاری وصحیح مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، امام حاکم فرماتے ہیں:''وسنة غريبة فى اباحة صلاة النساء على الجنائز'' ''عورتوں کے نماز جنازہ ادا کرنے کی اباحت پر یہ ایک سنت غریبہ ہے''الفاظ حدیث ملاحظہ فرمائیں:''عن اسحاق بن عبد الله بن أبى طلحة،عن أبيه أن أبا طلحة دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمير بن أبى طلحة حين توفى فأتاهم رسول الله عليه وسلم فصلى عليه فى منزلهم ، فتقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان أبو طلحة وراء ه، وأم سليم وراء أبى طلحة، ولم يكن معهم غيرهم'' (المستدرك على الصحيحين للحاكم ج۱، ص:٦٩٤، ح:١٣٩٠ كتاب الجنائز ،باب صلاة الجنازة فى البيت)

تفصیلات سے معلوم ہوا کہ عورتیں حجاب اور پردہ واسلامی آداب کا خیال رکھتے ہوئے جنازہ کی نماز ادا کرسکتی ہیں۔لیکن عورتوں کیلئے جنازوں کے ساتھ چلنا اور تدفین میں شریک ہونا ممنوع ہے اس لئے وہ ایسا نہیں کرسکتیں، جیسا کہ حضرت ام عطیہؓ سے مروی ہے''نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا'' (صحیح بخاری، ح:۱۲۷۸، کتاب الجنائز، باب اتباع النساء الجنازة، ابن ماجہ ۱/۴۸۷ وغیرہ) یعنی''ہم (عورتوں) کو جنازے کے ساتھ چلنے سے منع کیا گیا مگر تاکید سے منع نہیں ہوا''۔اس لئے عورتوں کو جنازے کیساتھ چلنے اور تدفین میں شریک ہونے سے بچنا چاہئے۔

(۳) ماں کے پیٹ سے مردہ پیدا ہونے والے بچے کی نماز جنازہ ادا کی جائیگی، چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ''عن مغيرة ابن شعبة أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: الراكب يسير خلف الجنازة والماشى يمشى خلفها وأمامها وعن يمينها وعن يسارها قريباً منها والسقط يصلى عليه ويدعى لوالديه بالمغفرة والرحمة'' (صحیح سنن أبی داؤد، ح:۲۷۲۳، کتاب الجنائز، باب المشی امام الجنازہ، سنن ابن ماجہ، ح:۱۵۰۷، وغیرہ)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''سوار جنازہ کے پیچھے چلے، اور پیدل آگے پیچھے دائیں بائیں اور اس سے قریب رہ کر چلیں اور ناتمام بچے پر (بھی) نماز جنازہ پڑھی جائے، اور اس کے ماں باپ کیلئے رحمت اور بخشش کی دعاء کیجائے۔

ناتمام بچہ سے مراد ہے وہ ہے جس کے چار ماہ ماں کے پیٹ میں مکمل ہو چکے ہوں، اور اسمیں روح پھونکی جا چکی ہو، پھر وفات پا گیا ہو، لیکن اگر کوئی بچہ اس مدت (چار ماہ) سے پہلے فوت ہوجائے تو اس پر نماز جنازہ نہیں ادا کی جائیگی اس

لئے کہ وہ میت کہلا ہی نہیں سکتا۔ تفصیل کیلئے دیکھیں (احکام الجنائز للعلامہ البانیؒ ص:۸۱، احکام ومسائل، فتاویٰ اسلامیہ، فقہ الحدیث، ومختلف فقہی کتابیں)

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں یہ ثابت ہے کہ بچہ جب اپنی ماں کے پیٹ میں چار ماہ کی عمر کو پہنچتا ہے تو اسمیں روح پھونک دیجاتی ہے۔ الفاظ حدیث ملاحظہ فرمائیں "إن احدكم يجمع خلقه فى بطن امه أربعين يوما ثم يكون فى ذلك علقة مثل ذلك ثم يكون فى ذلك مضغة مثل ذلك ثم يرسل الله الملك فينفخ فيه الروح" (صحیح بخاری، ح:۳۲۰۸، ۳۳۳۲، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، مسلم، ح:۲۶۴۳، جامع ترمذی ح:۲۱۳۷، سنن ابن ماجہ ح:۷۶)

معلوم ہوا کہ وہ بچے جو ماں کے پیٹ میں مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے چار ماہ مکمل کر چکے ہوں اور ان میں روح پھونکی جا چکی ہو پھر وہ مردہ، ناتمام پیدا ہوں تب بھی ان کی نماز جنازہ ادا کی جائیگی اور ان کے ماں باپ کیلئے رحمت ومغفرت کی دعا کی جائیگی اور جو چار ماہ سے پہلے پیدا ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی کیونکہ ایسی صورت میں وہ میت کہلائے نہیں جائیں گے۔

هذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب

ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆

مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی کی وفات

بزرگ عالم دین اور فاضل صحافی و ادیب اور شاعر مولانا عبد الحکیم مجاز اعظمی کا بروز سنیچر ۲۴ دسمبر ۲۰۱۱ء آپ کے آبائی وطن مئو میں انتقال ہوگیا۔ آپ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ، دہلی کے فارغ التحصیل تھے اور آپ کی جماعت اس مدرسہ سے فارغ ہونے والی آخری جماعت تھی۔

تدریس وتالیف کے میدان میں خدمات کے ساتھ ساتھ صحافت کے میدان میں آپ کی نمایاں خدمات ہیں مرکزی جمعیت اہلحدیث کا آرگن مجلّہ اہل حدیث اور جریدہ ترجمان کے علاوہ دعوت دہلی، افکار عالیہ مئو اور ماہنامہ آثار مئو بھی آپ کے مضامین کی زینت بنتے رہے، ماہنامہ محدث آپ کے انتقال پر اہل خانہ وجملہ پسماندگان کو تعزیت پیش کرتا ہے اور اللہ رب العالمین سے دعا گو ہے کہ وہ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔